# حاصل

(جلد دوم)

از

عمیرہ احمد

# * Haasil *

*Written by Umaira Ahmed*

**Scanned by:** Asoo (Dubai)

**Composed by:**

Aaila, Faisal Mirza, Hope, Khuloos, Me_Hilarious, Sumara, TeamUrdu, Umed, Yazghil

**Managed by:** Aamir Jahan

**Compiled, Proofread and PDF by:** TeamUrdu & Friends

**Presented by:** OneUrdu

# اردو پسندوں کو آداب اور خوش آمدید

ہمارا مشن دو ہزار دس **( 2010 )** تک ایک ہزار ایک **(1,001)** مفت اردو ناولز آن لائن کرنے کا ہے۔ آپ اردو سے محبت کے اس مقدس مشن میں ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ ﴿1﴾ آئندہ ناول کے چند صفحات کی کمپوزنگ کر کے ﴿2﴾ یہ ناول اپنے پچاس **(50)** دوستوں کو ای میل کر کے۔ ﴿2﴾ مزید تفصیلات کے لیے ابھی وزٹ کیجیے۔

wwww.1001Fun.com

# Respected Urdu Lover,

## Greetings and Welcome,

Our mission is to upload 1,001 Free Urdu Novels by 2010. You can help us by

(1) Composing some pages of the upcoming Novels

(2) Emailing this Novel to your 50 friends.

For more details please visit now:

**www.1001Fun.com**

☆☆☆

''سسٹر! مجھے آپ سے ایک درخواست کرنی ہے۔''

وہ اس دن چرچ سے واپس آ کر سیدھی سسٹر پیٹریشیا کے پاس گئی تھی۔ سسٹر الزبتھ بھی ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔

''میں یہاں کانونٹ میں رہنا نہیں چاہتی۔ آپ مجھے کہیں اور بھجوا دیں''۔ سسٹر پیٹریشیا اس کے مطالبے پر حیران رہ گئی تھیں۔

''کیوں کیا ہو گیا ہے؟''

''میں یہاں خود کو آزاد محسوس نہیں کرتی۔ میں اپنے مذہب کے مطابق عبادت نہیں کر سکتی۔ مجھے صرف قرآن پاک میں دلچسپی ہے۔ ان کتابوں میں نہیں جو آپ مجھے پڑھنے کے لیے دیتی ہیں۔''

سسٹر پیٹریشیا کو وہ اتنی بدلی ہوئی لگی تھی کہ انہیں چند لمحوں کے لیے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ سب الفاظ اس کے ہیں۔

''کرسٹینا! تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''پلیز سسٹر! میں کرسٹینا نہیں ثانیہ ہوں۔ آپ مجھے میرے نام سے پکاریں۔''

سسٹر پیٹریشیا نے سسٹر الزبتھ کی طرف دیکھا تھا۔

''سسٹر میں مسلمان ہوں اور میں مسلمان ہی رہنا چاہتی ہیں۔ میری برین واشنگ کرنے کی کوشش نہ کریں۔''

وہ خود یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اتنی طاقتور کیسے ہوگئی تھی مگر اس وقت اسے کسی چیز سے خوف نہیں آ رہا تھا۔ نہ کسی کی ناراضی سے نہ کسی کے اکیلا کر دینے سے اور نہ ہی موت سے۔

''ثانیہ! تمہارا نام صرف اس لیے بدلا گیا تھا تا کہ تمہارے نام کی کسی لڑکی کے یہاں ہونے کی بات لیک آؤٹ نہ ہو سکے ورنہ اور کوئی وجہ نہیں تھی۔''

سسٹر پیٹریشیا کا لہجہ ایک دم معذرت خواہانہ ہو گیا تھا۔

''آپ یہ خبر لیک آؤٹ ہو جانے دیں مگر مجھے میرے اپنے نام سے پکاریں۔ میں اب کسی چیز سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ میرے ساتھ جو ہونا ہے وہ ہو گا اور میں اسے روک نہیں سکتی۔ مگر آپ مجھ سے میرا تشخص چھیننے کی کوشش نہ کریں۔ مجھے یہاں سے بھجوا دیں۔''

اس کا لہجہ اتنا قطعی تھا کہ دونوں سسٹرز میں سے کسی نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔تم کو یہاں سے بھجوا دیا جائے گا۔''

''تھینک یو سسٹر''۔وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

پچھلے بہت سے دنوں میں پہلی بار اس نے بڑی بے خوف سے لائبریری میں جا کر قرآن پاک کی بلند آواز سے تلاوت شروع

کر دی تھی۔

اب مجھے اس شخص کے لیے چرچ نہیں جانا کیونکہ وہ وہاں نہیں آئے گا۔ وہ کبھی کسی چرچ میں اللہ کو ڈھونڈنے اور سکون پانے نہیں جائے گا اور مجھے کسی جھوٹ کا سہارا لے کر یہاں سے اس کے پاس نہیں جانا پڑے گا اور اب مجھے کسی سے یہ چھپانے کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ میں کون اور کیا چاہتی ہوں اور آج مجھے ڈائننگ روم میں کسی دعا میں شرکت کے ساتھ اپنا کھانا نہیں کھانا۔ مجھے کھانا کھانے سے پہلے صرف بسم اللہ پڑھی ہے اور با آواز بلند پڑھنی ہے اور کل مجھے کسی چرچ سروس میں شرکت نہیں کرنا۔ واحد کام جو مجھے کرنا ہے، وہ اس قرآن پاک کی تلاوت ہے اور اب مجھے یہ تلاوت کبھی بھی چھپ کر اور ڈر کر نہیں کرنی نہ ہی نماز پڑھتے وقت مجھے دل میں کوئی خوف رکھنا پھر جنہیں مجھے چھوڑنا ہوگا۔ وہ مجھے چھوڑ دیں گے اور مجھے صرف اپنے سے سہارا چاہیے۔ میرے لیے میرا اللہ اور میرا رسول (ﷺ) کافی ہے اور میں اپنے گناہوں کے لیے اللہ

سے رحمت کی طلب گار ہوں۔''

اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا طاقتور محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس وقت محسوس کر رہی تھی۔

''تم نے کیا سوچا ہے؟'' ہیومن رائٹس کمیشن کی اس نامی گرامی عہدے دار نے اس سے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

''میں آپ کو بتا چکی ہوں، مجھے کسی کورٹ میں پیش ہونا نہ ہی میڈیا کے سامنے آنا ہے۔ مجھے ایسا کچھ نہیں کرنا ہے۔'' اس نے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تم انکار نہیں کر سکتیں۔ یہ دونوں کام تمہارے لیے ضروری ہیں۔ تم اس کیس میں گواہ ہو۔ تمہاری گواہی بہت ضروری ہے۔ تمہاری گواہی کے بغیر بلال بچ جائے گا۔''

اس کے سر میں درد کی لہریں اٹھنے لگی تھیں۔

''اور میڈیا کے سامنے آنا اس لیے ضروری ہے تاکہ تم انہیں بتا سکو کہ اس ملک میں عورتوں کو کس قسم کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے حقوق کس طرح پامال کیے جاتے ہیں۔ اقلیتوں کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ کس طرح امتیاز برتا جاتا ہے۔ تمہارا میڈیا کے سانے آنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔'' وہ عورت بولتی جارہی تھی۔

''آپ کو پتا ہے، میرے اس طرح کے بیانات سے کیا ہوگا۔ مسلمانوں اور اقلیتوں کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے۔ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے کسی اقلیت کو نقصان اٹھانا پڑے مگر آپ مجھ سے جو چاہ رہی ہیں، اس کے بعد یہی ہوگا۔'' وہ کچھ برہم ہوگئی تھی۔

''ہم اس بارے میں بہت سوچا ہے اور پچھلے ایک سال

کے عرصے میں یہی سوچ کر خاموشی اختیار کیے رکھی ہے تا کہ اس مسئلے کی وجہ سے دونوں کمیونٹیز کے درمیان کوئی کشیدگی نہ ہو، مگر اب حالات کافی حد تک نارمل ہیں۔ جوئیل کی فیملی باہر منتقل ہو چکی ہے، ان پر کسی قسم کے حملے کا خطرہ نہیں۔''

''مگر باقی لوگوں پر تو ہے، ساری اقلیتیں تو باہر شفٹ نہیں ہو سکتیں۔ میری ایک غلطی سے میری اور ڈیوڈ کی فیملی کو جو نقصان پہنچ چکا ہے، میں نہیں چاہتی۔ اب ویسا کوئی نقصان کسی دوسرے کو برداشت کرنا پڑے گا۔''

تم نے کوئی غلطی نہیں کی۔ تم نے جو کیا اپنے حق کے لیے کیا۔ تاریخ میں تم جیسی لڑکیوں کا نام بہت اونچی جگہ لکھا جا گا۔ وہ عورت اب ایک بار پھر اس کے سامنے جال بچھا رہی تھی۔ مجھے کسی تاریخ میں نام نہیں لکھوانا ہے۔ مجھے کسی تاریخ کا حصہ نہیں بننا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا مجھے اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔ تاریخ میرے چہرے کو سونے سے لکھے یا چاندی سے مگر میری نظروں میں، میرا سیاہ چہرہ

سیاہ ہی رہے گا۔ دنیا کا کوئی پانی اس سیاہی کو دور نہیں کر سکتا، میرے گناہ نے میرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر مجھے محتاج بنا کر آپ کے سامنے پھینک دیا ہے۔ اب میں چاہوں بھی تو اپنے پیروں پر خود کھڑی نہیں ہو سکتی، مگر میں اس سب کے لیے کسی کو ذمہ دار نہیں سمجھتی۔ یہ صرف اور صرف میری غلطی تھی۔ میری غلطی کی وجہ سے ڈیوڈ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے اور بس یہ کافی ہے۔ مجھے کسی میڈیا کے سامنے آ کر اپنا یہ بدصورت چہرہ لوگوں کو نہیں دکھانا ہے۔

وہ عورت عجیب نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

میڈیا کے سامنے تمہیں آنا چاہیے یا نہیں مگر کورٹ میں تو تمہیں پیش ہونا چاہیے، تم مانتی ہو کہ غلطی تمہاری تھی جس کی وجہ سے ڈیوڈ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیا اب یہ ضروری نہیں ہے کہ تم انصاف کرو ڈیوڈ کے ساتھ۔ اس کی فیملی کے ساتھ۔ تم کورٹ میں پیش نہ ہو کر ایک اور گناہ نہیں کرو گی کیا؟ سچ چھپا کر؟ بلال کو سزا سے بچا کر۔

پلیز اس وقت مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔اس وقت میں کچھ سوچنا نہیں چاہتی۔پلیز آپ یہاں سے چلی جائیں۔

وہ یکدم سر پکڑ کر چلانے لگی تھی۔

ہیومن رائیٹس کمیشن سے متعلق وہ تینوں عورتیں کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہنے کے بعد کمرے سے نکل گئی تھیں۔

ان عورتوں کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اس کے ذہن میں ان کی باتیں گونجتی رہی تھیں۔

وہ ایک عجیب شش و پنج میں گرفتار تھی۔اس کی گواہی سے بلال کو نقصان پہنچتا تھا اور گواہی نہ دینے سے وہ ضمیر کی خلش کا شکار تھی۔

بلال نے ڈیوڈ کو قتل کیا ہے اور میں گواہی نہ دے کر اس گناہ

میں اس کی شریک کیوں بننا چاہتی ہوں۔ میں گواہی نہ دیکر ایک بار پھر اللہ کے سامنے۔۔۔۔۔نہیں میں اب ایسا کوئی کام نہیں کروں گی جس سے مجھے اللہ کی ناراضی کا سامنا کرنا پڑے اگر میں اپنے غلط کام کی سزا بھگت رہی ہوں تو پھر بلال کو بھی سزا ملنی چاہیے۔ دنیا کا کوئی قانون اسے یہ حق نہیں دیتا تھا کہ وہ ڈیوڈ کو قتل کر دے اگر بات انصاف کی ہے تو ڈیوڈ اور اس کے گھر والوں کے ساتھ بھی انصاف ہونا چاہیے۔

اس شام نماز پڑھنے کے بعد خود بخود ہی جیسے اس کے لیے ہر فیصلہ کرنا آسان ہو گیا تھا۔

اس نے زندگی میں کبھی اتنے لوگوں کو خود کو گھورتے نہیں دیکھا تھا ان میں ہر طرح کی نظریں تھیں۔ وہ نظریں جن میں اس کے لیے نفرت تھی، وہ نظریں جن میں اس کو دیکھ کر حیرانی تھی اور وہ نظریں جن میں اس کے لیے ترس تھا، کورٹ کے اندر داخل ہونے تک اس نے اپنے بارے میں بہت سے جملے سن لیے تھے۔ اس کا

دل ان جملوں کو سن کر زمین میں گڑنے کو نہیں چاہا تھا وہ پہلے ہی زمین میں گڑ چکی تھی۔

''وہ جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔''

اس کے ذہن میں ایک آیت لہرائی اور اس ذلت کا انتخاب میں نے اپنی مرضی سے کیا اور اب مجھے صبر کرنا چاہیے۔اس نے چادر سے چہرے کو چھپاتے ہوا پنے ہونٹوں کو بھینچ لیا تھا۔

کورٹ روم میں بہت عرصے کے بعد اس نے چند ایسے چہروں کو دیکھا تھا جن کے بغیر رہنا کبھی اس کے لیے ناممکن تھا اور اب وہ کتنے عرصے سے ان کے بغیر ہی رہ رہی تھی اس نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔کٹہرے میں کھڑے بلال پر اس نے دوسری نظر نہیں ڈالی تھی۔پہلی نظر اس سے ملتے ہی بلال نے زمین پر تھوک دیا تھا۔اور یہ بلال وہ تھا جو اس کے کہنے پر کوئی بھی کام کرنے کو تیار رہتا تھا اور آج۔۔۔۔۔آج اس کی آزمائش تھی اسے پہلی بار احساس

ہو رہا تھا کہ عدل کرنا کتنا مشکل کام ہوتا ہے اور تب عدل کرنا جب اس سے اپنے ہی جسم کا ایک حصہ زخمی ہوتا ہو۔ اس نے اپنے وجود میں پہلی بار کپکپاہٹ محسوس کی تھی۔

جج نے اسے کٹہرے میں بلوالیا تھا۔ لوگوں سے بھرے ہو کورٹ روم پر نظر دوڑاتے ہوا اس نے جج کو دیکھا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے اپنا بیان ریکارڈ کروانا شروع کر دیا تھا۔ کورٹ روم میں سناٹا تھا اور وہ جانتی تھی بلال کی زندگی کا فیصلہ اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کریں گے اور اس نے وہاں سچ کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا تھا۔

اگلے چند ہفتوں میں عدالت نے اس کی کسٹڈی کا فیصلہ بھی کیا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ جج پر کتنا پریشر ڈالا گیا تھا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اسے اس کی مرضی کے مطابق اسی ادارے کے پاس رہنے دیا گیا تھا۔ جہاں وہ رہ رہی تھی وہ جانتی تھی چند دنوں کے اندر اسے اپنے ملک سے باہر بھجوا دیا جا گا اور اس کے بعد.....

اس نے عدالت کو بلال کو عمر قید کی سزا دیتے ہوئے بھی سنا تھا۔ اس نے بلال کے چہرے پر پھیلتی ہوئی تاریکی بھی دیکھی تھی۔ وہ بلال کے خوابوں سے واقف تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اب اس کی زندگی کہاں گذرے گی۔ وہ تیس سال کا تھا اور اگلے کئی سال اس نے.....

اور یہ سب صرف میری وجہ سے ہوا، صرف میری وجہ سے۔

اس نے سوچا تھا اور اس کے اعصاب پر تھکن سوار ہونے لگی تھی۔ کوئی اپنے خاندان کے لیے اتنی رسوائی کا سبب نہیں بن سکتا۔ جتنی رسوائی میں نے اپنے خاندان کو دی ہے۔ کاش اللہ نے مجھے اس دنیا میں اتارا نہ ہوتا یا اتارا تھا تو بہت پہلے مجھے مار دیا ہوتا اتنی لمبی زندگی نہ دی ہوتی۔

اس نے کورٹ سے باہر نکلتے ہوئے اپنی گیلی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے سوچا تھا۔

مجھے اپنی زندگی کے لیے خود راستہ ڈھونڈنے دیں، میں وہ سب نہیں کر سکتی جو آپ چاہتے ہیں، مجھے کسی پریس کانفرنس میں اسلام اور پاکستان میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے کوئی مذمتی بیان نہیں دینا۔ آپ مجھے اپنے ہاتھ کا ہتھیار مت بنائیں، مجھے چھوڑ دیں۔ میری برین واشنگ کرنے کی کوشش مت کریں۔

تم بہت سے حقائق کو نظر انداز کر رہی ہو۔ اس وقت اگر تم اس ملک میں زندہ سلامت ہو تو یہ ہماری وجہ سے ہے تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ تمہارے لوگ اور تمہارا خاندان تمہارے ساتھ کیا کر سکتے تھے، صرف ہم لوگوں کی وجہ سے تم یہاں محفوظ بیٹھی ہو۔

بعض دفعہ زندگی سب کچھ نہیں ہوتی میرے پاس بھی زندگی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔

ہم تمہیں صرف ایک بار پریس کانفرنس میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد تم بیشک دوبارہ کبھی پریس کے سامنے مت

آنا۔

مجھے ایک بار بھی پریس کے سامنے نہیں آنا اگر آپ نے مجبور کیا تو میں پریس کانفرنس میں یہ کہہ دوں گی کہ مجھے آپ لوگوں نے ٹریپ کیا تھا اور میں یہ سب کچھ آپ لوگوں کے کہنے پر کر رہی ہوں اس لیے بہتر ہے کہ آپ مجھے چھوڑ دیں۔

امریکہ آنے کے بعد اسے مسلسل پریشرائیز کیا جا رہا تھا کہ وہ ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرے تاکہ میڈیا کے ذریعے ان ایشوز کو مزید اچھالا جائے جو پاکستان کے متعلق مغربی عوام کی رائے خراب کرتے رہے ہیں۔ ہیومن رائٹس کی جو مغربی تنظیم اسے پاکستان سے امریکہ لانے اور وہاں سیاسی پناہ دلوانے کی موجب بنی تھی اب وہ بدلے میں اس کو ایکسپلائیٹ کرنا چاہ رہے تھے۔

امریکہ میں ہی اس کی ملاقات ڈیوڈ کی فیملی سے کروائی گئی تھی اور اس بار ڈیوڈ کی فیملی نے بھی اسے اسی کام پر مجبور کرنے کی

کوشش کی تھی جو کام اس تنظیم کے افراد کروانا چاہ رہے تھے۔اس کا جواب ایک بار پھر انکار کی صورت میں تھا۔

میں جانتی ہوں، میری وجہ سے آپ کو اپنے بیٹے کی جان سے ہاتھ دھونا پڑے مگر میں مجبور ہوں۔ میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔

ڈیوڈ کی فیملی واپس جاتے ہو بہت مشتعل تھی، اسے قائل کرنے میں ناکامی پر چند ہفتوں کے بعد سے اس کی مرضی کے مطابق چھوڑ دیا گیا تھا۔

وہ وہاں سے نکلتے ہی طے کر چکی تھی کہ اسے کہاں جانا تھا۔ پرس میں کچھ ڈالرز اور ایک بیگ لیے وہ اسلامک سینٹر چلی گئی تھی۔ وہ جانتی تھی اب اسے مدد کی ضرورت تھی اور یہ مدد اسے امریکہ میں کہیں اور سے نہیں مل سکتی تھی۔ اسے سر چھپانے کے لیے جگہ اور ایک جاب کی ضرورت تھی اور یہ چیزیں اسے اب کوئی اور نہیں دے

سکتا تھا۔

اسلامک سینٹر میں اس نے چند باتوں کے سوا اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور پھر مدد کے لیے درخواست کی تھی۔ اسے جواب میں ایک ریفرنس لیٹر کے ساتھ ایک پاکستانی کے پاس بھجوا دیا گیا تھا۔ وہاں جا کر اسے دوبارہ اپنی داستان نہیں سنانی پڑی تھی۔ اس پاکستانی نے اپنے ایک اسٹور میں اسے سیلز گرل کے طور پر ملازمت دے دی تھی۔ اسی کے توسط سے ایک جگہ پر پیانگ گیسٹ کے طور پر اس کے لیے رہائش کا بندوبست بھی کر دیا گیا تھا۔ اسے ایک بار پھر اپنی زندگی نئے سرے سے صرف اپنے بل بوتے پر شروع کرنی تھی اور یہ کام اسے شروع میں بہت مشکل لگتا تھا۔

بعض دفعہ سب کچھ اسے ایک ڈراؤنا خواب لگتا تھا اسے لگتا تھا جب وہ نیند سے بیدار ہوگی تو یہ خواب بھی ختم ہو جائے گا۔ وہ ایک بار پھر وہیں کھڑی ہوگی جہاں وہ پہلے تھی مگر ایسا نہیں ہوتا تھا۔

اسے یقین نہیں آتا تھا کہ جو کچھ وہ کر چکی ہے۔ وہ واقعی اس نے کیا ہے۔

مجھے ڈیوڈ سے محبت کیسے ہوگئی اور پھر اس کے لئے میں جو کچھ کرتی رہی وہ کیسے کرتی رہی۔ کیا وہ سب کرنے والی میں ہی تھی؟

وہ بعض دفعہ سوچ کر حیران ہو جاتی تھی اور یہ سب اس لئے ہوا کیونکہ مجھے اپنے مذہب کا پتا ہی نہیں تھا۔ اگر پتا ہوتا تو یہ سب کچھ کبھی نہ ہوتا۔ وہ پچھتاوے کا شکار ہو جاتی کیا مجھے واقعی ڈیوڈ سے محبت ہوئی تھی یا پھر وہ سب کچھ ایک جادو تھا۔ ایک ایسا جادو جس نے میری زندگی برباد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا تھا۔ بلال جیل کے اندر عمر قید کاٹے گا میں ملک سے باہر عمر قید کاٹوں گی۔ وہ عمر قید کاٹنے کے بعد آزاد ہو کر واپس گھر چلا جائے گا۔ سب کچھ اس کے لئے دوبارہ شروع ہو سکتا ہے۔ مجھے اپنی باقی زندگی کسی اولڈ ہوم میں گزارنا ہوگی۔

جاب سے واپس گھر آنے کے بعد وہ کئی کئی گھنٹے روتی رہتی اور پھر اچانک اسے وہ یاد آنے لگتا۔ بے اختیار اس کے آنسو تھم جاتے۔ پتا نہیں وہ اب کیسا ہوگا زندگی کیسے گزار رہا ہوگا۔ مجھے یاد بھی کرتا ہوگا یا نہیں۔

جوں جوں وہ اس سے اپنا رابطہ ختم کرتی گئی تھی۔ اسے وہ زیادہ یاد آنے لگا تھا۔ جب اس نے مکمل طور پر اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ تب اسے پہلی بار پتا چلا تھا وہ اس کے لئے صرف نیکی نہیں رہا تھا وہ اس کے لئے کچھ اور ہو چکا تھا اور یہ انکشاف اس کے لئے بے حد ہولناک تھا۔ اس کا خیال تھا اسے ڈیوڈ کے بعد کسی سے محبت نہیں ہو سکتی تھی مگر اس کا خیال غلط ثابت ہو چکا تھا اسے محبت ہو چکی تھی۔

بہت دفعہ اپنے قریب سے گزرتے ہوئے کسی شخص پر اسے اس کا گمان ہوتا اور وہ اسے پکار بیٹھتی پھر اچانک اسے احساس ہوتا کہ وہ کیا کر رہی تھی۔ بہتر ہے وہ کبھی دوبارہ میرے سامنے نہ

آئے اس سے دوبارہ کبھی میری ملاقات نہ ہو ورنہ وہ میرے ہر جھوٹ کو جان جائے گا اور پھر وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا۔

اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ کبھی میرے سامنے مت لانا۔ وہ ہر نماز کے بعد اللہ سے دعا کرتی۔

ہر ہفتے وہ اسلامک سنٹر جایا کرتی تھی وہاں جانے کے بعد وہ کچھ پرسکون ہو جاتی تھی۔ اسے آہستہ آہستہ صبر آنے لگا تھا۔ پہلے کی طرح وہ جاب سے آنے کے بعد سارا سارا دن رو کر نہیں گزارتی تھی۔ خاموشی سے قرآن لے کر بیٹھ جاتی تھی۔ کمرے کی خاموشی اور تنہائی میں اسے اللہ اپنے بہت قریب محسوس ہوتا تھا یوں جیسے وہ اس کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہو جانچ رہا ہو پرکھ رہا ہو۔

بعض دفعہ وہ اپنی سوچوں پر ہنس پڑتی اللہ کو مجھے جانچنے اور پرکھنے کی کیا ضرورت ہے میں اپنے عقیدے میں ثابت قدم رہی ہوں نہ مستحکم مشکل کے وقت میں نے..... وہ آگے کچھ سوچنا نہیں

چاہتی تھی۔ ماضی اس کے لئے دودھاری تلوار کی طرح تھا جو اسے زخمی کرتی رہتی تھی۔

میں اپنے اعمال کی وجہ سے اتنا پیچھے چلی گئی ہوں کہ اگر چاہوں تو بھی اللہ کو راضی نہیں کر سکتی۔ گناہ گاروں کو اللہ معاف نہیں کیا کرتا۔ انہیں میری طرح زندگی میں ہی دوزخ دے دیتا ہے اور میرے جیسے لوگ ساری عمر اس دوزخ سے فرار نہیں ہو سکتے پھر بھی میں اللہ سے دعا کرتی رہوں گی کہ وہ مجھے اس گناہ کے لئے معاف کر دے جو میں نے اس کی نافرمانی کر کے کیا، کاش وقت ایک بار پھر پیچھے چلا جائے اور میں۔۔۔۔ میں دوبارہ کبھی۔۔۔۔۔ کبھی اللہ اور اپنے پیغمبر (صلعم) کی نافرمانی نہ کروں۔ کاش میں ہمیشہ ان دونوں کی فرمانبردار ہوتی۔ میری زندگی میں نافرمانی کے وہ لمحات کبھی نہ آتے وہ سوچتی اور رونے لگتی۔

اسلامک سنٹر میں وہ ایک مصری عالم کے پاس باقاعدگی سے جایا کرتی تھی۔ پروفیسر عبدالکریم بہت پرسکون اور مشفقانہ انداز

میں اسے تسلی دیا کرتے تھے۔

تم نے جو کچھ کیا ہے اللہ تمہیں اس کے لئے ضرور معاف کر دے گا کیونکہ تم سچے دل سے اپنی غلطیوں کے لئے معافی مانگ رہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے اللہ اب تک تمہیں معاف کر چکا ہو۔

ان کے پاس سے آنے کے بعد وہ اگلے کئی دن بہت پرسکون رہتی۔ ان کے الفاظ اس کے ذہن میں گردش کرتے رہتے۔

اس نے ان کے پاس جا کر بہت سے اعتراف کئے تھے اور انہوں نے ہر بار بہت پرسکون انداز میں اس کی باتیں سنی تھیں تین سال گزرنے کے بعد ان ہی کے سامنے پہلی بار اس نے اپنی تنہائی کا اعتراف کیا تھا۔ کچھ وقت لگے گا مگر اللہ تمہیں اکیلا نہیں رکھے گا۔ جن لوگوں کو اللہ معاف کر دیتا ہے ان پر بہت رحم کرتا ہے۔

انہوں نے ہمیشہ کی طرح اسے قرآنی آیات کے حوالے

دے دے کر تسلی دی تھی۔

مجھے اپنے گناہ پر اتنا پچھتاوا ہے کہ میں اب اپنے آپ کو کسی نعمت کا حق دار بھی نہیں سمجھتی۔اس نے ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے سوچا تھا۔

پانچ سال اسی طرح گزر گئے تھے اور پھر ایک دن اسلامک سنٹر میں پروفیسر عبدالکریم نے اس سے کہا تھا۔

اب تمہیں شادی کر لینی چاہئے۔ان کی بات اسے بے حد عجیب لگی تھی۔

تم ساری زندگی اکیلی رہ سکتی ہو نہ ہی تمہیں اکیلے رہنا چاہیے۔میرے پاس تمہارے لئے ایک پرپوزل ہے۔تمہارے بارے میں پہلے ہی اس سے بات کر چکا ہوں۔وہ سب کچھ جاننے کے باوجود بھی تم سے شادی پر تیار ہے۔انہوں نے اسے اس لڑکے کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کہا تھا۔وہ ان کے سامنے

ایک لفظ نہیں بول سکی تھی۔ اسے ان کے سامنے بیٹھے ہوئے اچانک احساس ہوا تھا کہ وہ واقعی ساری زندگی اکیلے نہیں رہ سکتی۔ شعوری اور لاشعوری طور پر اسے ایک سہارے کی تلاش تھی اور یہ سہارا اس کی اپنی فیملی ہی ہو سکتی تھی۔

میرا خیال ہے، تم اس شخص کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔

انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا تھا اور اس کے ذہن کی سکرین پر ایک چہرہ لہرایا تھا۔

خوش میں صرف ایک شخص کے ساتھ رہ کر ہو سکتی ہوں اور اس شخص کے لیے میں مر چکی ہوں۔ ہاں شادی کسی کے ساتھ بھی کی جا سکتی ہے اور زندگی کسی کے ساتھ بھی گزاری جا سکتی ہے اور مجھے واقعی کسی کے ساتھ شادی کر لینا چاہئے شاید میری زندگی میں کچھ بہتری آ جائے۔ شاید مجھے اولڈ ہوم میں نہ رہنا پڑے۔ اس نے پروفیسر عبدالکریم کے پاس سے اٹھتے ہوئے سوچا تھا۔

☆

پونے چار بجے وہ اسلامک سینٹر پہنچ گئی تھی۔ پروفیسر عبدالکریم بن اسود اپنے آفس میں اس کے منتظر تھے۔ ہمیشہ کی طرح وہ اس سے گفتگو میں مصروف ہو گئے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے چھوٹے موٹے کام بھی نمٹا رہے تھے۔ اپنی ڈاک دیکھ رہے تھے۔ پہلے سے لکھ کر رکھے گئے کچھ خطوط کو لفافوں میں بند کر کے پتے لکھ رہے تھے۔ ایک دو بار انہوں نے اپنے پیجر پر آنے والے پیغام دیکھے۔ وہ کسی دلچسپی کے بغیر ان کی باتیں سنتی اور معمول کے کام دیکھتی رہی۔ ان سے تمام ملاقاتوں میں آج پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ ان کی باتوں پر توجہ نہیں دے پا رہی تھی اس کا ذھن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔

ڈیوڈ، حدید اور..... اب یہ تیسرا شخص اور اگر زندگی اس تیسرے شخص کے ساتھ ہی گزارنی ہے تو پھر پہلے دونوں شخصوں کو میری زندگی میں آنے کی کیا ضرورت تھی یا..... یا مجھے ان سے ملنے

کی کیا ضرورت تھی۔

اسے اپنے گلے میں نمی اترتی محسوس ہوئی تھی۔

کیا آپ نے اسے میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے ؟اس نے تیسری بار پروفیسر عبدالکریم سے پوچھا تھا۔

ہاں۔

اور اسے کوئی اعتراض نہیں ہے؟ اسے ابھی بھی بے یقینی تھی۔

وہ مسکرائے تھے۔تمہارے خیال میں اسے اعتراض کرنا چاہئے؟

وہ خاموش رہی تھی۔

میں جانتا ہوں تم پریشان ہو۔ یہ نارمل چیز ہے۔تم اس

سے ملیں نہیں، اس لیے تمہارے دل میں بہت سے خدشات ہیں۔ جب اس سے مل لو گی تو تمہارے خدشات ختم ہو جائیں گے۔ وہ اپنی عمر کے دوسرے لوگوں سے بہت مختلف ہے۔ بہت میچور اور بہت ٹھنڈے مزاج کا مالک ہے۔ تمہیں اس سے بات کر کے اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے بارے میں میری رائے اتنی اچھی کیوں ہے۔

وہ اپنے مخصوص انداز میں نرم اور دھیمی آواز میں اسے سمجھا رہے تھے۔

سوا چار بجنے والے ہیں۔ وہ بس آنے ہی والا ہوگا۔ وقت کی پابندی کرتا ہے۔ اس کی اچھی عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وقت کی پابندی۔۔۔۔ اسے کوئی بے اختیار یاد آیا تھا۔ آنکھوں میں آنے والی نمی کو روکنے کے لیے اس نے ہونٹوں کو سختی

سے بھینچ لیا تھا۔

ہر چیز کو کبھی نہ کبھی اپنے مقام پر جانا ہی ہوتا ہے۔ بہت عرصہ پہلے پروفیسر عبدالکریم کی کہی ہوئی بات اسے یاد آئی تھی۔

اور شاید میرا مقام یہ تیسرا شخص تھا، ڈیوڈ یا حدید نہیں۔ اور کاش میں یہ سب پہلے جان گئی ہوتی۔

وہ پروفیسر عبدالکریم کے سامنے پڑی میز کی چمک دار سطح کو دیکھتے ہوئے سوچتی رہی۔

چار بج کر دس منٹ پر دروازے پر کسی نے دستک دی تھی اور پھر دروازہ کھول کر کوئی اندر آ گیا تھا۔ اسے اپنی پشت پر قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ اس نے اپنے دل کی دھڑکن کو تیز اور ہاتھوں کو سرد ہوتے ہوئے محسوس کیا تھا۔ پھر اس نے ایک آواز سنی تھی۔ گرم کمرے میں بھی اس کا پورا جسم جیسے برف کی چٹان بن گیا تھا۔ پروفیسر عبدالکریم اب آنے والے سے بات کر رہے تھے۔

ثانیہ نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے اپنے ماتھے پر نمی محسوس کرنے کی کوشش کی تھی، ماتھا خشک تھا۔اس کا خیال تھا کہ اسے پسینہ آ گیا ہو گا۔آنے والا اس کے پاس سے گزر کر پروفیسر عبدالکریم کے بائیں جانب میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی کھینچنے لگا تھا۔ثانیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ پروفیسر عبدالکریم نے دونوں کا تعارف کروایا تھا۔ وہ بہت دیر تک اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکی تھی۔وہ بھی کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔ثانیہ نے اس کے چہرے سے نظر ہٹالی تھی۔وہ اب بڑی سنجیدگی سے پروفیسر عبدالکریم سے باتوں میں مصروف تھا۔

تم یقیناً اسے پسند کرو گی۔ بہت میچور اور ٹھنڈے مزاج کا مالک ہے۔ پروفیسر عبدالکریم نے چند منٹ پہلے اس کے بارے میں کہا تھا۔

ہاں وہ دیکھنے میں ایسا ہی لگ رہا ہے۔ میچور اور coolheaded میں کیا کوئی بھی لڑکی اسے پسند کر سکتی ہے۔

چاہے پہلے اس کی زندگی میں کوئی آیا ہو یا نہیں۔اس نے تلخی سے سوچا تھا۔

تم دونوں ایک دوسرے کے بارے میں تقریباً سب کچھ پہلے ہی سے جانتے ہو۔میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے میں نے تم دونوں کو آگاہ نہ کیا ہو۔اب یہ ضروری ہے کہ تم لوگ ایک دوسرے سے گفتگو کرو۔تاکہ ایک دوسرے کے بارے میں مزید جو کچھ جاننا ضروری ہے، جان سکو۔میں کچھ دیر کے لیے کمرے سے باہر چلا جاتا ہوں۔تم لوگ اتنی دیر آپس میں بات کر سکتے ہو۔

پروفیسر عبدالکریم کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔ثانیہ نے گردن موڑ کر اپنی پشت پر بند ہوتا ہوا دروازہ دیکھا تھا۔پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔وہ سر جھکائے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کی رنگ سے اپنی جینز پر نظر نہ آنے والی لکیریں بنانے میں مصروف تھا۔ثانیہ نے اس پر سے نظر ہٹالی تھی۔سامنے فرنچ ونڈوز سے اس نے

باہر نظر آنے والے منظر میں اپنی دلچسپی کی کوئی چیز ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی، کوئی بھی چیز۔ وہ ناکام رہی تھی۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی اور خاموشی کو توڑنا ہمیشہ مشکل ہوتا ہے۔

کون پہلے بولے گا، میں یا یہ؟ اور جو پہلے بات شروع کرے گا، وہ کیا کہے گا؟ ثانیہ نے سوچنے کی کوشش کی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔

میرے پاس تو کہنے کے لیے کچھ نہیں ہے مگر یہ کیوں خاموش ہے۔ اس کے پاس تو کہنے کے لیے بہت کچھ ہونا چاہئے، بہت کچھ۔ اس کے پاس تو لفظوں کی کمی نہیں ہونی چاہیے۔

ثانیہ نے سوچا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔ ایک منٹ، دو منٹ، تین منٹ، چار منٹ، پانچویں منٹ پر ثانیہ نے اسے ایک گہری اور لمبی سانس لیتے ہوئے سنا تھا۔ یوں جیسے وہ کسی ٹرانس سے باہر آ گیا تھا۔

اور اب یہ کیا کہے گا؟ ثانیہ نے سر جھکائے جیسے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی۔

پچھلے چھ سال میں جس چہرے کو دیکھنے کی میں نے سب سے زیادہ خواہش کی تھی، وہ تمہارا چہرہ تھا اور آج یہاں تمہیں دیکھنے کے بعد جس چہرے کو میں کبھی دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا، وہ بھی تمہارا چہرہ ہے، عجیب بات ہے نا۔

ہاں ٹھیک ہے۔ مجھے یقین تھا، یہ ایسی ہی کوئی بات کہے گا۔ ثانیہ نے سوچا۔ پچھلے چھ سال میں جس چہرے کو میں کبھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی، وہ تمہارا چہرہ تھا اور آج یہاں اس کمرے میں تمہیں دیکھنے کے بعد جس چہرے کو میں دوبارہ کبھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتی، وہ بھی تمہارا ہی چہرہ ہے۔ عجیب بات ہے نا۔

اس نے سوچا تھا۔ اپنے اندازے کے صحیح ہونے پر اسے

جیسے ایک عجیب سی خوشی ہوئی تھی۔ وہ اب بھی بول رہا تھا۔اسی پختہ اور سرد آواز میں۔

میں لوگوں کو کبھی سمجھ نہیں سکتا اور عورت کو تو شاید بالکل بھی نہیں۔ میں نہیں جانتا، ہر ایک مجھے ہی دھوکا کیوں دینا چاہتا ہے۔ میں نے تو کبھی کسی کے کیے برا سوچا ہے، نہ برا چاہا۔ پھر بھی..... پھر بھی پتا نہیں لوگ میرے ساتھ یہ سب کیوں کرتے ہیں۔

اپنی گود میں رکھے ہوئے دائیں ہاتھ کی پشت پر اس نے پانی کے چند قطرے گرتے دیکھے تھے اور پھر ہاتھ دھندلا گیا تھا، اس نے سر نہیں اٹھایا۔اس کی آواز اب بھی کمرے میں گونج رہی تھی۔

تمہیں یہاں اس کمرے میں دیکھنے کے بعد مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں پھر وہیں پہنچ گیا ہوں، جہاں چھ سال پہلے کھڑا تھا۔

اور میں آج تک وہیں کھڑی ہوں، جہاں چھ سال پہلے تھی۔

چھ سال پہلے تم سے ملنے کے بعد میں نے سوچا تھا۔ دنیا میں ابھی بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو خود غرض نہیں ہیں۔ جنہیں دوسروں کی پروا ہے۔ چھ سال پہلے میں نے تمہیں آئیڈیلائیز کیا تھا۔ میں نے سوچا تھا مجھے زندگی میں تمہارے جیسا بننا ہے۔ آج یہاں اس کمرے میں بیٹھا میں سوچ رہا ہوں۔ کیا دنیا میں مجھ سے زیادہ بے وقوف کوئی اور ہوگا۔

اس کی آواز میں رنجیدگی تھی۔ ثانیہ کے ہاتھ پر گرنے والے پانی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

پانچ سال پہلے جب میں نے واپس جا کر تمہیں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی اور مجھے پتا چلا تھا کہ تم مر چکی ہو تو میں بہت رویا تھا۔ مجھے لگا تھا ایک بار پھر میری دنیا ختم ہو گئی۔ آج تمہیں یہاں دیکھ کر لگ رہا ہے کہ دنیا تو آج ختم ہوئی ہے میں نہیں جانتا، اس کمرے سے نکلنے کے بعد میں کیا کروں گا۔ میں دوبارہ کسی عورت پر اعتبار کر بھی پاؤں گا یا نہیں۔ تم تو بہت باتیں کیا کرتی

تھیں۔آج خاموش کیوں ہو، کچھ کہو۔

وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

تمہیں آنسوؤں جیسے ہتھیار کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔تم تو اس کے بغیر بھی دوسروں کو منہ کے بل گرانے میں ماہر ہو۔

وہ شاید اس کے بہتے ہوئے آنسو دیکھ چکا تھا۔ثانیہ نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ گالوں پر بہتے آنسوؤں کو صاف کیا تھا۔

میں تمہاری زندگی کی پوری کہانی میں اپنا رول سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔تمہارے لیے میں کیا تھا۔ایک filler ایک سپورٹ یا کچھ بھی نہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کو مجھ سے کیا چاہیئے تھا۔کون سی چیز تمہیں میری جانب کھینچ کر لائی تھی؟تم نے میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا؟

اس کے پاس سوالوں کا انبار تھا اور ثانیہ کے پاس جوابات نہیں تھے۔ اپنی گود میں رکھا ہوا بیگ اٹھا کر وہ کھڑی ہوگئی تھی۔ وہ اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا۔

تم کہاں جارہی ہو؟ اس نے تیزی سے پوچھا تھا۔

کرسی دھکیل کر وہ دروازے کی طرف مڑ گئی تھی۔ وہ لپکتا ہوا اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا۔

میرے سوالوں کا جواب دیے بغیر تم کیسے جا سکتی ہو؟ تم اس طرح کیسے کر سکتی ہو؟

وہ خاموش رہی تھی۔

تم جانتی ہو، تم نے مجھے کتنا بڑا دھوکا دیا ہے؟ وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

ثانیہ نے اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس کی

جیکٹ کے کالرز کو دیکھتی رہی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

تم ایک فراڈ ہو۔ اس نے جیکٹ کے بٹن گننے شروع کر دیے تھے۔ اس طرح چپ رہ کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟ ڈرامہ کا کون سا ایکٹ رہ گیا ہے جسے اب پرفارم کرنا چاہتی ہو؟

وہ بٹن گن چکی تھی۔ اب دوبارہ کالرز دیکھ رہی تھی۔

کیا تم بول نہیں سکتی ہو؟ وہ اب چلا رہا تھا۔

اس نے اب شرٹ کے بٹن گننے شروع کر دیے تھے اور تب اچانک اس نے اپنے دائیں بازو پر اس کے ہاتھ کی گرفت محسوس کی تھی۔ وہ اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ بے اختیار اس نے سختی سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیا تھا۔

مجھے ہاتھ مت لگاؤ حدید اس نے بالآخر اپنی خاموشی توڑ دی تھی۔ حدید کا چہرہ اس کے جملے پر سرخ ہو گیا تھا۔

تمہارا وجود واقعی اتنا گندا ہے کہ میرے جیسے شخص کو ہاتھ تو کیا، اسے دیکھنا تک نہیں چاہئے۔

ثانیہ نے ایک بار پھر سر جھکا لیا تھا۔

آج ہاتھ لگانے پر اعتراض ہوا ہے، چھ سال پہلے تو۔۔۔

۔۔

چھ سال پہلے کا ذکر مت کرو۔تب اور بات تھی۔ثانیہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔

میں جاننا چاہتا ہوں وہ اور بات کیا تھی۔جس کے لیے تم نے مجھے استعمال کیا۔

آئی ایم سوری۔اگر تم میری کسی بات سے ہرٹ ہوئے تو۔اب میرا راستہ چھوڑ دو۔مجھے جانا ہے۔

وہ اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا تھا۔

تمہارے لیے یہ سب کرنا کتنا آسان ہے۔ آئی ایم سوری۔ اگر تم میری کسی بات سے کبھی ہرٹ ہوئے تو۔ بس اتنا کہنا چاہئے تمہیں، میں ہرٹ ہوا۔ تمہیں اندازہ ہے تم نے کیا کیا ہے۔ تم نے میری زندگی کے چھ سال برباد کر دیے ہیں اور تم صرف ایک جملہ بول کر سب کی تلافی کرنا چاہتی ہو صرف ایک جملہ بول کر۔ تم کیسی انسان ہو؟ تم کیسی عورت ہو؟

ثانیہ نے سر اٹھا کر پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ حدید کو اس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے ہوئے نظر آئے تھے۔

میں نے کب کہا کہ میں انسان ہوں؟ میں نے کب کہا کہ میں عورت ہوں۔ میں تو تماشا ہوں۔ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔ تماشا بننے اور دیکھنے کے لیے بڑی ہمت اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں اللہ نے میرے مقدر میں لکھ دی ہیں۔ کچھ لوگوں کو اللہ دل آباد کرنے کے لیے بناتا ہے۔ کچھ کو زندگیاں برباد کرنے کے لیے۔ مجھے اللہ نے دوسرے کام کے لیے

بنایا ہے۔ جولوگ دوسروں کے دلوں کو کانٹوں سے زخمی کرتے ہیں، ان کے اپنے اندر کیکر اُگے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں یا نہ چاہیں ، ان کے وجود کو کانٹا ہی بننا ہوتا ہے۔ وہ پھول نہیں بن سکتے۔ تم میرے لیے چھ سال روئے ہو۔ آج ایک بار اور رولو، پھر سوچ لینا کہ میں واقعی مر گئی۔ ساری دنیا تمہارے آگے کھلی پڑی ہے۔ تمہارے لیے بھی کوئی نہ کوئی ہو گا۔ ہر عورت میرے جیسی نہیں ہوتی۔

☆

یار تم کبھی ہمارے گھر بھی آ جایا کرو۔ دیکھو میں اتنے چکر لگا چکی ہوں تمہارے گھر کے۔

ربیکا اس دن پھر ثانیہ سے اصرار کر رہی تھی۔

ڈونٹ وری ربیکا میں اس ویک اینڈ پر تمہاری طرف آؤں گی۔ میں خود بھی بہت دنوں سے سوچ رہی ہوں۔ یہ بس اتفاق کی

بات ہے کہ کوئی نہ کوئی کام پڑ جاتا ہے۔ثانیہ نے معذرت کی تھی۔

بس تو پھر طے ہے کہ اس ویک اینڈ پر تم ہماری طرف آ رہی ہو۔

ربیکا نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔ڈیوڈ مجھے لینے کے لیے آ گیا ہے۔میں جا رہی ہوں۔

اس نے کالج گیٹ کے باہر جھانکتے ہوئے کہا تھا۔ثانیہ نے ربیکا کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ دونوں کونونٹ میں اکٹھی پڑھتی رہی تھیں مگر اس وقت دونوں الگ سیکشنز میں تھیں اور دونوں کی دوستی الگ الگ لڑکیوں سے تھی۔میٹرک کرنے کے بعد جب ربیکا نے کنیئرڈ کالج میں ایڈمیشن لیا تو اس کی دو بہترین دوستوں کو اپنے پیرنٹس کے ساتھ ملک چھوڑ کر جانا پڑا۔ایک اور دوست کے والد کی ٹرانسفر دوسرے شہر ہو گئی۔کنیئرڈ میں غیر محسوس طور پر وہ دونوں ایک دوسرے کے

بہت قریب آ گئیں۔ دونوں کے سبجیکٹس ایک ہی تھے اور ربیکا بہت ملنسار تھی۔ شروع میں ربیکا کے گروپ میں کچھ اور لڑکیاں بھی تھیں مگر آہستہ آہستہ ان دونوں کی دوستی اتنی گہری ہوگئی کہ وہ دونوں ہر وقت ساتھ رہنے لگیں۔

ثانیہ تین بھائیوں اور دو بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ جبکہ ربیکا کی دو بہنیں اور ایک بھائی تھا۔ اور وہ دوسرے نمبر پر تھی۔ سب سے بڑا اس کا بھائی تھا۔ ربیکا کے والد ایک این جی او کے لیے کام کرتے تھے۔ جبکہ ثانیہ کے والد ایک نامور بزنس مین تھے۔ ثانیہ کی ایک بڑی بہن اور بھائی کی شادی ہو چکی تھی اور ان دنوں اس کے لیے رشتہ تلاش کیا جا رہا تھا۔ ان کے خاندان میں لڑکیوں کی شادی بہت جلدی کر دی جاتی تھی۔ ثانیہ بھی جانتی تھی کہ انٹر کرنے کر بعد اس کی شادی بھی کر دی جائے گی۔

ویک اینڈ پر وہ ربیکا کے گھر گئی تھی۔ اسے اس کے گھر کا ماحول بہت اچھا لگا تھا۔ ربیکا کے ماں باپ اور بہن بھائی سب

آپس میں بہت فرینک تھے۔اس نے کبھی ماں باپ اور بچوں کے درمیان اتنی دوستی نہیں دیکھی تھی۔خود اس کے گھر میں بھی دوستانہ ماحول تھا مگر پھر بھی اس کے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے ساتھ ویسے تعلقات نہیں تھے جیسے ربیکا کے اپنے گھر والوں کے ساتھ تھے۔ لاشعوری طور پر وہ سارا وقت ربیکا اور اپنے گھر کا موازنہ کرتی رہی۔لنچ اس نے ربیکا اور اس کی فیملی کے ساتھ کیا تھا اور ڈائننگ ٹیبل پر ایک خاص قسم کی بے تکلفی تھی۔

ربیکا کے والد فرانسس جوئیل بہت اچھی طبیعت کے مالک تھے۔وہ لنچ کے دوران چھوٹے موٹے لطیفے سناتے رہے۔

ڈیڈی میں کیرل کو دوبارہ گھر چھوڑنے نہیں جاؤں گا۔اس کے گرینڈ فادر بہت لمبی چوڑی انویسٹی گیشن شروع کر دیتے ہیں۔ لنچ پر باتیں کرتے کرتے اچانک ڈیوڈ نے اپنے باپ سے کہا تھا۔

ٹھیک ہے۔کیرل کو چھوڑنے مت جانا مگر آج میرے

ساتھ ثانیہ کو تو چھوڑنے جانا ہی ہوگا۔

ربیکا نے اس کی بات کے جواب میں کہا تھا۔

ویسے کیرل کے دادا اتنے بھی برے نہیں ہیں۔ مجھے تو بہت اچھے لگتے ہیں۔

میں نے کب کہا کہ وہ برے ہیں۔ پندرہ منٹ میں، میں کیرل کو گھر چھوڑتا ہوں اور اس کے دادا سے جان چھڑانے میں ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ میں شاید دسویں بار کیرل کو چھوڑنے گیا تھا مگر وہ ہر بار انٹرویو کا آغاز میرے نام سے کرتے ہیں اور پھر پورا بائیوڈیٹا لینے بیٹھ جاتے ہیں۔ باپ اور ماں کا نام، بہن بھائیوں کی تعداد اور ان کے نام، تعلیم اور ہابیز۔ میرا نام، کوالیفکیشن اور ہابیز۔ حتیٰ کہ دوستوں کے نام بھی۔

وہ منہ بناتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

میں سوچ رہا ہوں، اگلی بار اگر کبھی کیرل کو ڈراپ کرنا پڑا تو میں ایک فولڈر بنا کر ساتھ لے جاؤں گا۔ ان سے کہوں گا کہ ان کے سارے سوالوں کے جواب اس میں ہیں۔ وہ بعد میں آرام سے اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں مگر فی الحال مجھے جانے دیں۔

بات ختم کر کے وہ خاموش ہوا تھا اور پھر اچانک اس نے ثانیہ سے پوچھا تھا۔

آپ کے گھر میں تو ایسے کوئی دادا نہیں ہیں؟

وہ اس اچانک سوال پر یک دم گڑبڑائی تھی۔

نہیں، ثانیہ کے گھر کوئی دادا نہیں ہیں اور اگر ہوتے بھی تو تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود تمہارے ساتھ اسے ڈراپ کرنے جاؤں گی اور ظاہر ہے، میں ہی گھر کے اندر جاؤں گی۔

ربیکا نے سلاد کھاتے ہوئے کہا تھا۔

لنچ کے بعد ربیکا کے ڈیڈی واپس آفس چلے گئے تھے۔ ربیکا کی ممی اور چھوٹی بہن مارکیٹ چلی گئی تھیں۔ثانیہ ربیکا کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی۔صرف چند منٹ گزرے تھے جب اچانک اسٹیریو پر ونٹی ہوسٹن کا guerd body بجایا جانے لگا تھا۔والیم اتنا بلند تھا کہ وہ دونوں بات کرتے کرتے چپ ہوگئیں۔ ربیکا نے چائے کا مگ رکھ دیا تھا۔

یہ ڈیوی ہے۔اسے اتنے میسز نہیں ہیں گھر میں کوئی آیا ہوا ہے تو والیم ہی تھوڑا کم رکھ لے۔دن میں چھتیس بار ہم یہ نمبر سنتے ہیں۔اس کا خیال ہے کہ وٹنی نے یہ نمبر اس کے لیے ریکارڈ کیا ہے۔

ربیکا ترشی سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ چند منٹوں بعد اسٹیریو کا والیم کم ہو گیا تھا۔ربیکا دوبارہ کمرے میں آ گئی تھی۔

والیم کم کر دیا؟ ثانیہ نے اس کے اندر آتے ہی پوچھا تھا۔

ہاں، میں نے اسے وٹنی کی قسم دی تھی۔

ثانیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔تمہارا بھائی وٹنی کا بہت بڑا فین لگتا ہے۔اس نے ہنستے ہوئے ربیکا سے کہا تھا۔

یہ بات کبھی اس کے سامنے مت کہہ دینا۔ وہ خود کو فین نہیں، وٹنی کا لور سمجھتا ہے۔

اوہ گاڈ دنیا میں اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔

دنیا میں تو پتا نہیں مگر ہمارے گھر میں ایسے ہی لوگ ہیں۔ ڈیوڈ وٹنی پہ مرتا ہے اور انیتا ٹام کروز پر۔اس نے چھوٹی بہن کا نام لیتے ہوئیے کہا تھا۔

اور تم۔۔۔تم کس پر مرتی ہو؟ ثانیہ نے شرارت سے پوچھا تھا۔

ظاہر ہے بھئی روبن پہ۔اس نے اپنے فیانسی کا نام لیتے ہوئیے کہا تھا۔ میں ہمیشہ پکا کام کرتی ہوں۔اس نے کھلکھلاتے ہوئیے ثانیہ سے کہا تھا۔

مجھے تمہاری فیملی بہت اچھی لگی ہے۔ ثانیہ نے چائیے کا گھونٹ لیتے ہوئیے کہا تھا۔

تمہاری فیملی بھی تو بہت اچھی ہے۔

ہاں مگر تمہاری فیملی جتنی نہیں۔ہم لوگ ایک دوسرے سے اتنے کلوز نہیں ہیں۔اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

تم آجایا کرو ہمارے گھر۔ مجھے بہت اچھا لگے گا۔ربیکا نے بڑے خلوص کے ساتھ اسے آفر کی تھی۔

ہاں اب میں آتی رہوں گی۔ یہاں آ کر بہت اچھا وقت گزارا ہے میں نے۔

اس نے چائے کا مگ خالی کرتے ہوئے کہا تھا پھر گفتگو کا موضوع بدل گیا تھا۔ چار بجے تک وہ دونوں باتیں کرتی رہیں پھر ثانیہ گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں ڈیوڈ کو بلاتی ہوں۔ وہ اسے لاؤنج میں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ چند منٹوں بعد ربیکا اس کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

آؤ باہر پورچ میں چلتے ہیں۔ وہ سو رہا تھا۔ میں نے جگا دیا ہے۔ چند منٹ میں باہر آ جائے گا۔

ربیکا نے اسے بتایا تھا۔ وہ اس کے ساتھ باہر پورچ میں آ گئی تھی۔ چند منٹوں بعد وہ جمائیاں لیتے ہوئے باہر نکلا تھا اور پھر گاڑی میں بیٹھ کر اس نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا تھا۔ ربیکا ثانیہ کے ساتھ اندر بیٹھ گئی۔

گاڑی سڑک پر لاتے ہی اس نے کیسٹ پلیئر آن کر دیا تھا۔ گاڑی میں وٹنی کا guerdbody گونجنے لگا تھا اور ثانیہ نے

بے اختیار قہقہہ لگایا تھا۔اسے چند گھنٹے پہلے ربیکا کے کہے گئے جملے یاد آ گئے تھے۔ڈیوڈ نے حیرانی سے مڑ کر دیکھا تھا۔

کیا ہوا؟ ثانیہ کو اور ہنسی آئی تھی۔ربیکا بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی تھی۔شاید وہ بھی ثانیہ کی ہنسی کی وجہ جان چکی تھی۔ڈیوڈ کچھ دیر بیک ویو مرر سے انہیں حیرانی سے دیکھتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا پھر اس کے ماتھے پر بل پڑنے لگے تھے۔ناراضگی کے عالم میں اس نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ پہلے تم لوگ مجھے اپنے ہنسنے کی وجہ بتاؤ یا پھر ہنسنا بند کرو، پھر میں گاڑی چلاؤں گا۔

اس نے پیچھے مڑ کر ان دونوں سے کہا تھا مگر ان دونوں کی ہنسی کی رفتار میں یکدم اضافہ ہو گیا تھا۔وہ بالکل پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھیں۔پھر ربیکا نے خود پر کچھ قابو پاتے ہوئے کہا۔

اچھا ٹھیک ہے۔تم گاڑی چلاؤ، ہم خاموش ہو جاتے ہیں۔

بات ختم کرتے کرتے اس نے ثانیہ کی طرف دیکھا تھا اور وہ ایک بار پھر ہنسنے لگی تھی۔

نہیں،اب تو میں بالکل گاڑی نہیں چلاؤں گا۔وہ کچھ بگڑ گیا تھا۔
پلیز آپ گاڑی چلائیں۔آپ کو ٹنی کی قسم۔

ثانیہ نہیں جانتی کس طرح بے اختیار اس کے منہ سے یہ جملہ نکلا تھا۔اس نے ڈیوڈ کے چہرے پر بے تحاشہ حیرت دیکھی تھی پھر اس نے اس کا چہرہ سرخ ہوتے دیکھا تھا۔کچھ کہے بغیر وہ مڑا تھا۔اس نے کیسٹ پلیئر آف کیا تھا اور گاڑی سڑک پر لے آیا تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر مزید ہنستی رہی تھیں اور پھر آہستہ آہستہ ان کی ہنسی تھم گئی تھی اور ہنسی تھمتے ہی ثانیہ کو اپنی حرکت پر خجالت کا احساس ہونے لگا تھا۔اس نے بیک ویو مرر سے ڈیوڈ کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔وہ بڑی سنجیدگی سے ماتھے پر بل ڈالے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر دوپہر والی خوش مزاجی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ ثانیہ کو شرمندگی ہونے لگی تھی۔پتا نہیں وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا کہ میں کیسی لڑکی ہوں۔اسے خیال آیا تھا۔ربیکا اب اس سے باتیں کر رہی تھی مگر اس کا ذہن اب بھی وہیں اٹکا ہوا تھا۔

ربیکا گیٹ پر اس کے ساتھ اتر کر اسے گھر کے اندر تک چھوڑنے گئی تھی۔ اس کے ذہن میں تب بھی ڈیوڈ کے چہرے کے تاثرات تھے۔

کل تمہیں ڈراپ کرنے کے بعد میرا اور ڈیوڈ کا زبردست جھگڑا ہوا۔ اگلے دن کالج میں ربیکا اسے بتا رہی تھی۔

وہ مجھ سے اس بات پر لڑ رہا تھا کہ میں نے تمہیں وٹنی کے بارے کیوں بتایا۔ ربیکا مزے سے بتا رہی تھی۔

پھر؟

پھر کیا۔ ایسے جھگڑے تو اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ اسے اصل میں جھگڑے کی عادت ہے۔ ربیکا بہت پرسکون تھی۔

ویسے مجھے ہنسنا نہیں چاہئے تھا اور پھر وہ بات جو میں نے اس سے.....

چھوڑو یار اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔اسے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ربیکا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تھا۔وہ خاموش ہوگئی تھی لیکن اس کی شرمندگی ختم نہیں ہوئی تھی۔

تین چار دن بعد اس نے شام کو ربیکا کو فون کیا تھا۔فون ڈیوڈ نے ریسیو کیا تھا۔ثانیہ نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

میں ثانیہ ہوں۔مجھے ربیکا سے بات کرنا ہے۔اس نے کہا تھا۔

اچھا میں اسے بلوا دیتا ہوں۔آپ ہولڈ کریں۔دوسری طرف سے کہا گیا تھا۔

ایک منٹ۔مجھے آپ سے بھی ایک بات کرنی ہے۔ثانیہ نے تیزی سے کہا تھا۔معذرت کرنے کا یہ اچھا موقع اسے ملا تھا۔

مجھ سے کرنا ہے؟ کیا بات کرنا ہے؟

مجھے آپ سے ایکسکیوز کرنی ہے۔

ایکسکیوز؟ کس چیز کے لیے؟ وہ حیران ہوا تھا۔

وہ اس دن گاڑی میں۔۔۔۔ میں۔ میرا مطلب ہے۔ میں نے آپ کو گاڑی چلانے کے لیے وٹنی کی قسم دی تھی۔ اس نے کچھ اٹکتے ہوئے وجہ بتائی۔

ہاں تو میں نے گاڑی چلا دی تھی۔ دوسری طرف سے بڑی سنجیدگی سے کہا گیا تھا۔ ثانیہ کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر یہ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ مذاق کر رہا ہے یا سنجیدہ ہے۔

نہیں.....لیکن مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔

چلیں ٹھیک ہے۔ دوبارہ مت کہیے گا۔

آپ ناراض تو نہیں ہیں؟

نہیں، فی الحال تو نہیں ہوں۔ کیا اب ربیکا سے بات کروا دوں۔

وہ اس کی بات پر کچھ شرمندہ ہوگئی تھی۔ ہاں کروادیں۔

ہیلو ثانیہ کچھ دیر بعد ریسیور میں ربیکا کی چہکتی ہوئی آواز گونجی تھی۔

اس دن وہ اپنی بھابھی کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی ہوئی تھی جب فیروزسنز کے باہر اس نے ڈیوڈ کو کچھ فارنرز کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی چھوٹی بہن انیتا بھی تھی۔ انیتا نے ثانیہ کو دیکھ لیا تھا اور وہ اس کے پاس آ گئی تھی۔

تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟ ثانیہ نے اس سے پوچھا تھا۔ ڈیوڈ ابھی بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

ڈیڈی کے کچھ دوست آئے ہوئے ہیں۔ رات کی فلائٹ

ہے ان کی۔اس لیے کچھ شاپنگ کروانے آئے ہیں۔

ربیکا بھی آئی ہے؟

نہیں، وہ نہیں آئی۔بس میں اور ڈیوڈ ہی آئے ہیں۔

انیتا کچھ دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد واپس چلی گئی تھی۔ثانیہ کو بہت عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ڈیوڈ اسے دیکھنے کے باوجود بھی اس کی طرف نہیں آیا تھا۔اس نے ثانیہ کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا تھا اور ثانیہ کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔

کیا وہ اب بھی اس بات پر مجھ سے ناراض ہے؟ اسے خیال آیا تھا مگر میں نے تو ایکسکیوز کر لی تھی۔

اس کا دل یکدم شاپنگ سے اچاٹ ہو گیا تھا۔بھابھی کے اصرار کے باوجود وہ واپس گاڑی کی طرف چلی گئی تھی۔

پھر ثانیہ نے کئی دفعہ اسے بہت سی جگہوں پر دیکھا تھا۔

بعض دفعہ وہ اکیلا ہوتا تھا،بعض دفعہ اس کا کوئی دوست ساتھ ہوتا تھا مگر کبھی بھی اس نے ثانیہ کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہر بار اس طرح نظر انداز ہونا ثانیہ کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتا تھا۔ بعض دفعہ اس کا دل چاہتا وہ خود اس کے پاس جا کر ہیلو ہائے کرے۔آخر پتا تو چلنا چاہیئے کہ وہ اس طرح کیوں کر رہا ہے؟اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ بلاشبہ بے حد ہینڈسم تھا۔اس کے چہرے کے نقوش بھی بہت تیکھے تھے مگر ثانیہ نے اس سے بھی زیادہ ہینڈسم لڑکے دیکھے تھے اور وہ اس طرح ان سے متاثر نہیں ہوئی تھی جس طرح وہ ڈیوڈ سے ہو رہی تھی۔اس میں کوئی نہ کوئی ایسی چیز ضرور تھی جس سے صنف مخالف اس کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں۔

اس دن وہ ربیکا کے گھر گئی ہوئی تھی اور وہاں ایک بار پھر ڈیوڈ سے اس کا سامنا ہوا تھا مگر خلاف توقع اسے نظر انداز کرنے کے بجا،وہ خوش دلی سے مسکرانے لگا تھا۔

ہیلو،کیسی ہیں آپ؟

میں ٹھیک ہوں۔آپ کیسے ہیں؟ وہ بے اختیار خوش ہوئی تھی۔

فائین۔کافی دن بعد آئی ہیں آپ ہمارے گھر۔کیا ابھی آپ کی شرمندگی ختم نہیں ہوئی؟ وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

میری شرمندگی تو ختم ہوگئی ہے مگر آپ شاید ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟

نہیں، میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میں اس طرح کی باتوں پر ناراض نہیں ہوتا۔

ثانیہ اس سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ پھر وہ اسے اتنے ہفتوں سے نظر انداز کیوں کر رہا ہے مگر وہ پوچھ نہیں سکی تھی۔ربیکا لاؤنج میں آ چکی تھی۔وہ ربیکا کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی

تھی مگر آج وہ بہت خوش تھی اور اسکے مزاج میں آنے والی اس تبدیلی کو ربیکا نے بھی محسوس کیا تھا۔

اس دن گھر واپس آ کر بھی اس کا موڈ بہت خوشگوار رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ لاشعوری طور پر کسی لڑکے سے متاثر ہو رہی تھی اور وہ لڑکا کون.....اس وقت اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی۔ ربیکا کی گفتگو میں اکثر اس کے بھائی کا ذکر ہوتا تھا۔آج ڈیوڈ نے یہ کیا۔ آج ڈیوڈ نے یہ کہا۔بعض دفعہ وہ ثانیہ کے بارے میں اس کا تبصرہ بھی اسے بتا دیتی اور ان تبصروں نے اسے ڈیوڈ کی جانب کچھ اور مائل کر دیا تھا۔

جس دن ربیکا ڈیوڈ کا ذکر کرنا بھول جاتی ،اس دن ثانیہ خود اس کا ذکر چھیڑ دیتی۔ان دنوں اس کے بارے میں بات کرنے سے زیادہ دلچسپ چیز اس کے لیے اور کوئی نہیں تھی۔

☆

اس دن کالج میں ربیکا نے اسے ایک کارڈ تھما دیا تھا۔ڈیوڈ کی برتھ ڈے ہے پرسوں اور میں تمہیں انوائٹ کر رہی ہوں۔گھر میں ہی ایک چھوٹا سا فنکشن ہے۔ربیکا اسے تفصیلات بتا رہی تھی۔

میرا آنا تو شاید کچھ مشکل.....

مجھے تمہاری مشکل میں دلچسپی نہیں ہے۔بس تمہیں آنا ہے۔ربیکا نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی تھی۔

تیسری شام ثانیہ کا بڑا بھائی اسے ربیکا کے گھر ڈراپ کر گیا تھا۔گیٹ کے باہر گاڑیوں کی قطار اور اندر ہونے والی چہل پہل سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی چھوٹا فنکشن نہیں ہے۔لان میں لائیٹنگ کی گئی تھی اور وہاں لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ربیکا اسی کی منتظر تھی اور اسے دیکھتے ہی اس نے گرم جوشی سے اسے گلے لگا لیا تھا۔

آؤ، میں تمہیں اپنے کزنز سے ملواتی ہوں۔

ہیلو ہائے کے بعد اس نے ثانیہ کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے ہو کہا تھا۔ پھر وہ اسے لے کر لان کی مختلف ٹیبلز پر جاتی اور مختلف لڑکیوں اور لڑکوں سے متعارف کرواتی رہی۔

ربیکا یہ گفٹ تم لے لو۔ اس نے ربیکا کے ساتھ چلتے چلتے کہا تھا۔

بھئی، یہ میں کیوں لوں جس کے لیے تم لائی ہو، اسی کو دینا۔ آؤ ڈیوی کے پاس چلتے ہیں۔

ربیکا اسے لے کر گھر کے اندر آ گئی تھی۔ ڈیوڈ اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ ثانیہ کو دیکھ کر اسکے چہرے پر ایک خوبصورت مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ بے اختیار نروس ہو گئی تھی۔

تھینک یو فار بینگ ہیر۔ وہ خود ہی ثانیہ اور ربیکا کے پاس آ گیا تھا۔

ہیپی برتھ ڈے۔ثانیہ نے گفٹ اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔

تھینک یو۔اس نے مسکراتے ہوئے گفٹ لے لیا تھا۔

آپ گفٹ کے بغیر آتیں تو مجھے خوشی ہوتی لیکن گفٹ کے ساتھ آئی ہیں تو مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔

ربیکا نے اس کے کندھے پر ایک ہاتھ مارا تھا۔وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

آؤ ثانیہ باہر چلتے ہیں۔

ربیکا اس کا ہاتھ تھام کر واپس مڑ گئی تھی۔ لاؤنج کے دروازے سے نکلتے ہوا اس نے غیر محسوس طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ اس کا گفٹ ہاتھ میں تھامے وہیں کھڑا سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ثانیہ نے تیزی سے گردن موڑ لی تھی۔اس کے دل کی دھڑکن بے اختیار تیز ہو گئی تھی۔

برتھ ڈے کا کیک کاٹنے کے بعد ربیکا اور اس کے کزنز نے گٹار اور کی بورڈ پر بہت سے گانے گائے تھے۔ڈیوڈ نے بھی گٹار پر ایک دھن بجائی تھی۔وہ حیران کن حد تک اچھا گٹار بجا رہا تھا۔ثانیہ اس پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹا سکی تھی۔

ربیکا اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ثانیہ ذرا اس لڑکی کو دیکھو جس نے رائیل بلو کلر کا سلک کا چوڑی پاجامہ پہنا ہوا ہے۔

ثانیہ نے اس سمت دیکھا جس طرف وہ اشارہ کر رہی تھی۔ وہ لڑکی ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی۔

کیسی ہے؟ ثانیہ نے حیرانی سے اس کو دیکھا تھا۔

بہت خوبصورت ہے مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ اس نے ربیکا سے پوچھا تھا۔

ممی کی بہت نظر ہے اس لڑکی پر،ڈیوڈ کے لیے۔

ثانیہ کا سانس رک گیا تھا۔ڈیوڈ کے لیے؟

ہاں،ڈیوڈ کے لیے۔شیبا بہت اچھی لڑکی ہے۔ڈیڈی کے دوست کی بیٹی ہے۔کینیڈا سے آئی ہے۔چند ہفتے یہاں گزارنے۔ ممی سوچ رہی ہیں اس کا پرپوزل مانگنے کے لیے۔

ربیکا سرگوشی میں تفصیل بتا رہی تھی اور ثانیہ کی نظر اس لڑکی کے چہرے پر جمی ہوئی تھی۔

ڈیوڈ انٹرسٹڈ ہے؟ اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

ابھی ممی نے اس سے بات نہیں کی مگر شیبا ایسی لڑکی ہے جسے کوئی بھی ناپسند نہیں کرسکتا۔

اس نے ربیکا کو کہتے سنا تھا۔ یکدم فنکشن سے اس کا جی اچاٹ ہوگیا تھا۔ڈیوڈ ابھی بھی گٹار پر کوئی دھن بجا رہا تھا۔مگر وہ

وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

مجھے اب بھائی کو فون کرنا چاہیے، بہت دیر ہوگئی ہے۔

اس نے گھڑی دیکھتے ہوربیکا سے کہا تھا۔

یار یکدم تمہیں گھر جانے کی کیا پڑ گئی ہے؟ ربیکا کچھ ناراض ہوئی تھی۔

نہیں، امی نے اسی شرط پر آنے دیا تھا کہ میں نو بجے تک آجاؤں گی۔

اس نے جھوٹ بولا تھا اور پھر اندر لاؤنج میں آ کر گھر فون کر دیا تھا۔

گھر آنے کے بعد وہ بے حد ٹینس تھی۔ آخر مجھے ہو کیا رہا ہے۔ اگر وہ شیبا سے ڈیوڈ کی منگنی کرنا چاہتے ہیں تو میں کیوں پریشان ہوں۔ مجھے ڈیوڈ میں اتنی دلچسپی لینے کی ضرورت ہی کیا

ہے۔

وہ بے دلی سے جیولری اتارتے ہوئے سوچتی رہی۔

میں نے آخر ڈیوڈ کو اس قدر ذہن پر سوار کیوں کر لیا ہے۔ آخر میں چاہتی کیا ہوں؟ اس نے رنجیدگی سے سوچا تھا اور پھر کپڑے تبدیل کیے بغیر بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ ایک بار پھر ڈیوڈ کا چہرہ اس کے سامنے تھا اور پھر یکدم شیبا بھی اس کے ساتھ آ گئی تھی۔ وہ بے قرار ہو کر اٹھ گئی۔ اسے پتا نہیں چلا، کس وقت وہ رونے لگی تھی۔

مجھے رونے کی کیا ضرورت ہے؟ میں کیوں جیلس ہو رہی ہوں؟ میں کوئی احمق ہوں؟

وہ جتنا خود کو دلاسا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا دل اتنا ہی بھر آ رہا تھا۔ وہ بہت دیر روتی رہی تھی۔ اس رات اس پر یہ ہولناک انکشاف ہوا تھا کہ وہ نہ چاہتے ہو بھی ڈیوڈ کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔

کیا بات ہے ثانیہ؟ طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟

صبح امی نے ناشتے کی میز پر اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر پوچھا تھا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

سر میں درد ہو رہا تھا۔ اس لیے رات کو نیند نہیں آئی۔ اس نے بہانا گھڑا تھا۔

تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ میں تمہیں کوئی ٹیبلٹ دے دیتی۔

اس کی بھابھی نے اس سے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی تھی۔

اب طبیعت کیسی ہے؟ اس کے سب سے بڑے بھائی نے پوچھا تھا۔

اب ٹھیک ہوں۔ اسے اب ان سب کے سوالوں سے

الجھن ہونے لگی تھی۔

آج کالج مت جانا، آرام کرنا۔اس کی امی نے کہا تھا۔

ثانیہ تم ابھی اپنی امی کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلی جانا۔ اس کے ابو نے کہا تھا۔وہ کپ ٹیبل پر پٹخ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

سب پیچھے پڑ جاتے ہیں سکون سے ناشتہ تک نہیں کرنے دیتے۔

وہ روتے ہوئے ڈائننگ روم سے نکل گئی تھی۔ ڈائننگ روم میں یکدم خاموشی چھا گئی تھی۔سب لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے تھے۔ثانیہ نے کبھی اس طرح نہیں کیا تھا۔

مجھے لگتا ہے۔ اس کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔تم جاؤ، جا کر دیکھو اسے۔اس کے ابو نے امی سے کہا تھا۔

رات کو جب میں اسے ربیکا کے گھر سے لے کر آیا تھا۔

تب تو بالکل ٹھیک تھی۔اس کا بڑا بھائی حیران تھا۔گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ بہت لاڈلی تھی۔ ہر ایک کو ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔خود وہ بھی بھائیوں کے ساتھ بہت اٹیچ تھی۔اسے خاصی حد تک آزادی بھی دی گئی تھی۔ وہ جس وقت جہاں جانا چاہتی، جاسکتی تھی۔کوئی اسے منع نہیں کرتا تھا۔اس کی غلطیوں کو بھی سب لوگ ہنس کر ٹال دیتے تھے اور اس لاڈ پیار نے اسے کسی حد تک خودسر بھی بنا دیا تھا۔

شام تک وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کسی حرکت سے گھر میں کسی کو کوئی شک ہو۔

میں اب ڈیوڈ سے کبھی نہیں ملوں گی۔ جب میں ربیکا کے گھر نہیں جاؤں گی تو اس سے میرا سامنا بھی نہیں ہوگا اور پھر وہ میرے ذہن سے نکل جا گا۔اس نے اس رات یہ طے کیا تھا۔

ایک ڈیڑھ ہفتہ وہ ربیکا کے گھر نہیں گئی تھی اور نہ ہی اس

نے اسے اپنے گھر انوائٹ کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ ڈیوڈ کو اپنے ذہن سے نکال نہیں پائی تھی۔ وہ ان تمام دنوں میں اس کی نظروں کے سامنے رہا تھا اور وہ۔۔۔۔وہ شیبا کو بھی اپنے ذہن سے نکال نہیں پائی تھی۔

تم لوگوں نے شیبا کے والدین سے بات کی؟ اس دن اس نے ہمت کر کے ربیکا سے پوچھا تھا۔

ہاں، ممی نے بات کی تھی۔ وہ لوگ تو پہلے ہی یہ چاہتے تھے۔ اگلے سال چھٹیوں میں جب وہ لوگ پاکستان آئیں گے تو ہم باقاعدہ ان دونوں کی انگیجمنٹ کر دیں گے۔ شادی تو خیر ابھی چار پانچ سال بعد ہی ہوگی۔ کیونکہ ڈیوڈ کو اپنی انجینئرنگ مکمل کرنا ہے۔

ثانیہ کا دل جیسے ڈوب گیا تھا۔

ڈیوڈ بہت خوش ہوگا؟ وہ پتا نہیں کیا جاننا چاہتی تھی۔

ابھی کون سی انگیجمنٹ ہوئی ہے جو وہ خوش ہوتا پھرے، ابھی تو صرف بات ہوئی ہے۔ ممی نے اس سے پوچھا تھا تو اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ شیبا کو کوئی بھی ناپسند نہیں کرسکتا۔

وہ اسے بتا رہی تھی۔ ثانیہ نے اپنے اندر یکدم بہت سا سناٹا محسوس کیا تھا۔

ثانیہ اور ربیکا کے پروموشن ٹیسٹ شروع ہونے والے تھے۔ اکنامکس کے ٹیسٹ کی تیاری کرتے ہوئے کچھ سوالوں میں اسے پرابلم پیش آ رہی تھی۔

میرا خیال ہے، مجھے ربیکا سے مدد لینی چاہیے۔

اس نے سوچا تھا لیکن ریسیور اٹھاتے ہوا سے یاد آیا تھا کہ ربیکا کا فون خراب ہے۔ کچھ دن پہلے بارش کی وجہ سے اس علاقے کی ایکسچینج میں کوئی خرابی ہوگئی تھی اور ربیکا نے اس سے ذکر بھی کیا

تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتی رہی تھی اور پھر امی کو بتا کر ڈرائیور کے ساتھ ربیکا کے گھر چلی گئی تھی۔ ملازم اسے اندر لے آیا تھا۔

ربیکا بی بی انیتا بی بی کے ساتھ لائبریری گئی ہیں۔ کچھ دیر میں آتی ہی ہوں گی۔ ملازم نے اسے بتایا تھا۔

گھر میں اور کوئی نہیں ہے؟ وہ کچھ مایوس ہوئی تھی۔

صرف ڈیوڈ صاحب ہیں۔ میں انہیں بلاتا ہوں۔

ثانیہ کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی اور وہ.....

ڈیوڈ ملازم کے ساتھ ہی آ گیا تھا۔

ہیلو، کیسی ہیں آپ؟ اس نے ہمیشہ کی طرح خوشدلی سے ثانیہ سے پوچھا تھا۔

میں ٹھیک ہوں۔ میں دراصل ربیکا سے کچھ سوال سمجھنے آئی ہوں مگر وہ تو.....اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

ہاں وہ لائبریری گئی ہے۔ بس آتی ہی ہوگی۔ آپ بیٹھیں۔ وہ اس کے کہنے پر خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

آپ نے تو ہمارے گھر آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ وہ کچھ دیر بعد بولا تھا۔

ثانیہ نے کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ڈیوڈ نے بھی اپنا سوال نہیں دہرایا تھا۔ کچھ دیر وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

لائیں، آپ کتاب دکھائیں۔ ہوسکتا ہے، میں آپ کی کچھ مدد کرسکوں؟ کچھ دیر بعد ڈیوڈ نے کہا تھا۔

ثانیہ نے ہچکچاتے ہو کتاب اس کی طرف بڑھا دی تھی۔ وہ اس کا بتایا ہوا باب کھول کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی سے وہ کتاب

دیکھتا رہا پھر اس نے ایک گہری سانس لیتے ہو کہا۔

نو پرابلم۔ یہ تو بہت آسان ہیں۔ میں آپ کو سمجھا دیتا ہوں۔

وہ ایک کرسی اٹھا کر سینٹر ٹیبل کے سامنے لے آیا تھا۔آپ یہاں آجائیں۔

اس سے کہتے ہوئے خود وہ اس کے بالمقابل صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔کتاب اور نوٹ بک سینٹر ٹیبل پر رکھنے کے بعد اس نے بڑی مہارت سے مختلف فارمولے استعمال کرتے ہوئے سوال حل کرنے شروع کر دی تھے۔وہ آگے کو جھکی نوٹ بک پر روانی سے چلتے ہو اس کے ہاتھ کو دیکھتی رہی۔اس کے ناخن تراشیدہ اور ہاتھ عام مردانہ ہاتھوں کے برعکس بہت خوبصورت تھے۔وہ نوٹ بک پر لکھے ہوئے کسی لفظ کو سمجھ نہیں پا رہی تھی.....اس کا ذہن صرف ڈیوڈ میں الجھا ہوا تھا۔

کیا اسے کبھی یہ احساس ہوا ہوگا کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں؟ کیا اس نے کبھی میرے بارے میں سوچا ہے؟

وہ اس وقت صرف یہی سوچ رہی تھی۔ وہ مدھم آواز میں نوٹ بک پر سر جھکا بڑے اچھے طریقے سے مختلف کیلکولیشن کر رہا تھا اور تب اچانک ہی نوٹ بک پر چلتا ہوا اس کا ہاتھ رک گیا تھا۔ نوٹ بک سے کچھ فاصلے پر سینٹر ٹیبل پر پانی کے کچھ قطرے گرے تھے۔ اس نے حیران ہو کر سر اٹھایا تھا۔

کیا ہوا ثانیہ؟ وہ جیسے ہکا بکا تھا۔ وہ اب اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ چکی تھی۔ ڈیوڈ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ اسے پہلے کبھی ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ پھر ایک جھٹکے سے اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے۔

DO YOU KNOW HOW MUCH I LOVE YOU

(تمہیں خبر ہے، میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں۔) اس نے روتے ہو کہا تھا۔ وہ دم بخود ہو گیا تھا۔

ثانیہ!

میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ہوں اور تم...... تم شیبا کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتے ہو۔

ثانیہ تم ہوش میں تو ہو؟

نہیں، میں ہوش میں نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتی ڈیوڈ میں نہیں جانتی۔ یہ سب کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟ مگر میں......

وہ سانس روکے اسے بلکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اگر تم کسی اور کے ہو گئے تو میں زندہ نہیں رہوں گی۔ میں خودکشی کرلوں گی۔ کیا تم کو کبھی اندازہ نہیں ہوا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں؟ کیا تمہیں کبھی میرا خیال نہیں آیا؟ کیا شیبا مجھ سے

زیادہ اچھی ہے؟

وہ اس کے سامنے سے اٹھ گیا تھا۔

اندازہ تھا مگر.....مگر یہ سب کچھ بے کار ہے۔تمہارے اور میرے درمیان اتنی دیواریں ہیں کہ صرف محبت سے کچھ نہیں ہو سکتا۔اپنی اور میری زندگی کو مشکل بنانے کی کوشش مت کرو ثانیہ۔

ثانیہ نے بالآخر اسے کہتے سنا تھا۔اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

تم مسلم ہو۔ میں عیسائی ہوں اور یہ فرق نہ تم ختم کر سکتی ہو، نہ میں۔

لیکن میں تم سے محبت کرتی ہوں۔

میں بھی محبت کرتا ہوں۔

ثانیہ کے آنسو یکدم تھم گئے تھے۔پھر تم نے مجھ سے کبھی کہا کیوں نہیں؟

کہنے سے کیا ہوتا ہے۔میں تمہیں ایسے خواب کیوں دکھاتا جن کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔آج تم نے خود پہل کی تو میں۔۔۔۔ ورنہ شاید میں کبھی بھی تم سے یہ سب نہ کہتا۔

ڈیوڈ تم مسلم ہو جاؤ۔ہم پھر شادی کر سکیں گے۔

یہ بات دوبارہ کبھی مت کرنا۔کیا تم میرے لیے عیسائی ہو سکتی ہو۔وہ یکدم مشتعل ہو گیا تھا۔وہ کچھ بول نہیں سکی۔

میرا خیال ہے اس سب کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔میں دوبارہ اس ٹاپک پر بات کرنا نہیں چاہتا۔وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

کچھ بھی ختم نہیں ہو سکتا۔اب کچھ بھی ختم نہیں ہو سکتا۔اب جب میں یہ جان گئی ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتے ہو تو میں تم کو

کھو نہیں سکتی۔میں بار بار اسی ٹاپک پر بات کروں گی۔

(تم سن رہے ہو نا؟۔)میں بار بار اسی ٹاپک پر بات کروں گی۔

وہ اپنی چیزیں اٹھا کر بھاگتی ہوئی ربیکا کے گھر سے نکل آئی تھی۔

پروموشن ٹیسٹ ختم ہونے کے بعد ایک دن ڈیوڈ نے اسے کال کیا تھا۔

آج ربیکا کالج نہیں آ رہی۔کیا تم مجھ سے مل سکتی ہو؟ اس نے ثانیہ سے پوچھا تھا۔

ہاں، کیوں نہیں۔

میں کالج سے تمہیں پک کر لوں گا۔اس نے فون بند کر دیا تھا۔

پچھلے دو ہفتے میں، میں نے بہت سوچا ہے اور میں چاہتا ہوں تم بھی سوچو۔تم اگر مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو تو سوچ لو اس کے لیے تمہیں بہت کچھ چھوڑنا پڑے گا۔ میں تم سے مذہب بدلنے پر اصرار نہیں کرتا مگر تمہیں اپنا گھر، خاندان اور شاید ملک بھی چھوڑنا پڑے گا۔ کیونکہ یہاں رہ کر میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ یہاں یہ ممکن ہی نہیں ہوگا۔تمہیں میرے ساتھ باہر جانا ہوگا اور یہ ابھی نہیں ہوگا۔ پہلے مجھے اپنی انجینئرنگ مکمل کرنا ہے اور اس میں ابھی کچھ سال رہتے ہیں۔کیا تم چار پانچ سال انتظار کر سکتی ہو۔

وہ کالج سے اسے ایک ریسٹورنٹ میں لے گیا تھا اور وہاں اس نے ثانیہ کو اپنا فیصلہ بتانا شروع کیا تھا۔

نہیں، چار پانچ سال انتظار ممکن نہیں ہے۔انٹر کے بعد میرے پیرنٹس ہر قیمت پر میری شادی کر دیں گے۔ میرے لیے مزاحمت کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

تو پھر تم کیا چاہتی ہو؟ (مجھے نہیں پتا۔) تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ اس نے ڈیوڈ سے پوچھا تھا۔ I DONT KNOW میں بھی کچھ نہیں جانتا۔ میرے پیرنٹس کو یہ سب پتا چلے گا تو وہ..... نہیں ثانیہ شادی کے لیے تمہیں ابھی کچھ انتظار کرنا ہو گا۔ مجھے میرے فادر سپورٹ کرتے ہیں۔ میں تمہیں کیسے سپورٹ کر سکتا ہوں۔ تم انٹر کرو۔ ابھی ایک سال ہے۔ پھر میں دیکھوں گا، کیا کر سکتا ہوں مگر میں پھر تم سے ایک بار کہتا ہوں کہ تم اپنے فیصلے پر غور کرو۔ ثانیہ کیا تم ان ساری مشکلات کا سامنا کر سکو گی جو مجھ سے شادی کی صورت میں تمہارے سامنے آئیں گی۔ تمہاری فیملی اور یہاں کے سارے لوگ ہماری جان کے دشمن ہو جائیں گے۔ ایک مسلم لڑکی، ایک کرسچین لڑکے کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔ تمہارے مذہب میں یہ نہیں ہوتا، کیا تم جانتی ہو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ تم جذبات میں آ کر کوئی فیصلہ کرو اور پھر تمہیں پچھتانا پڑے۔ تمہیں پہنچنے والی کوئی بھی تکلیف میرے لیے نا قابل برداشت ہو گی۔

ڈیوڈ نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ثانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے بس تمہاری ضرورت ہے۔تم مجھے کیسے ملتے ہو۔ مجھے پرواہ نہیں لیکن میں اپنی باقی زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔

☆

بھابھی سلام میں مسلم مرد کو کسی غیر مسلم عورت سے شادی کرنے کی اجازت ہے؟اس دن وہ آمنہ بھابھی سے پوچھ رہی تھی۔

ہاں اگر وہ عورت اہل کتاب ہو تو۔

اور کیا مسلم عورت کسی غیر مسلم مرد سے شادی کر سکتی ہے اگر وہ اہل کتاب ہو تو؟

آمنہ بھابھی نے اسے دیکھا تھا۔نہیں،ایسا ممکن نہیں ہے۔مسلم عورت کسی غیر مسلم مرد کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔ چاہے وہ غیر مسلم اہل کتاب ہی کیوں نہ ہو۔

یہ عورت کے ساتھ زیادتی نہیں ہے۔مرد کو تو اجازت ہے کہ وہ غیر مسلم کے ساتھ شادی کر لے لیکن عورت کو نہیں۔کیا عورت انسان نہیں ہے۔اس کا دل نہیں ہے۔

ثانیہ دیکھو، یہ زیادتی والی بات نہیں ہے۔ایک مسلم مرد اپنے بچوں کو اپنے طریقے اور عقیدے سے پروان چڑھائے گا۔ چاہے اس کی بیوی کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔وہ اسے مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اس کی بات مانے مگر مسلم عورت ایک غیر مسلم شوہر کو اپنی بات ماننے پر مجبور نہیں کر سکتی۔یقیناً اس کے بچے بھی غیر مسلم ہی ہوں گے پھر تم خود سوچو کہ ایک مسلمان عورت کی غیرت یہ کیسے گوارا کر سکتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے دین کے بجائے کسی دوسرے دین کا پیروکار بنائے۔

ثانیہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا، وہ الجھ گئی تھی۔

ڈیوڈ کے ساتھ اس کی ملاقاتیں جاری تھیں۔ وہ ہر دوسرے دن کسی نہ کسی دوست کے گھر جانے کا بہانا بنا کر ڈیوڈ کے ساتھ طے کی ہوئی جگہ پر چلی جاتی۔ بعض دفعہ اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا تھا کہ وہ اپنے والدین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچا رہی ہے مگر ہر بار وہ اپنے کان بند کر لیتی۔

میں ڈیوڈ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر بار اپنی مجبوری دہرا دیتی۔

ڈیوڈ اگر تم مسلم ہو جاؤ تو میں اپنے پیرنٹس سے بات کر سکتی ہوں۔ شاید وہ ہماری شادی پر رضامند ہو جائیں پھر ہمیں کسی پرابلم کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

اس دن اس نے ڈرتے ڈرتے ڈیوڈ سے کہا تھا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔

میں اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا۔

مگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور محبت کی خاطر تو لوگ۔۔

۔۔

تم بھی تو محبت کرتی ہو مجھ سے۔کیا تم میرے لیے اپنا مذہب چھوڑ سکتی ہو؟ وہ اس کے سوال پر خاموش ہو گئی تھی۔

تم اسلام کا مطالعہ تو کرو پھر۔۔۔۔

مجھے دلچسپی نہیں ہے تمہارے مذہب میں۔تم سمجھتی کیوں نہیں۔ میں اپنے مذہب سے بہت خوش ہوں۔ ڈیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

تم عیسائیت کا مطالعہ کرو۔شاید تم اپنا مذہب چھوڑ دو۔

وہ ایک بار پھر اس کی بات کے جواب میں خاموش رہی تھی۔

بہتر ہے کہ ہم اب مذہب کی بات نہ کریں۔ ڈیوڈ نے بات ختم کر دی تھی۔

ان دنوں اس کے لیے گھر میں ایک پرپوزل آیا ہوا تھا۔ اس کے ابو کو یہ پرپوزل بہت پسند آیا تھا۔ انہوں نے ثانیہ کی مرضی پوچھی تھی اور اس نے انکار کر دیا تھا۔

مگر تم آخر انکار کی کوئی وجہ تو بتاؤ۔ اتنا اچھا رشتہ آخر تمہیں کیوں پسند نہیں؟ اس کی امی حیران تھیں۔

بس میں نے کہا نا کہ میں ابھی آگے پڑھنا چاہتی ہوں۔ گریجویشن کرنے سے پہلے مجھے شادی نہیں کرنی۔

تو ہم تمہاری منگنی کر دیتے ہیں۔ تم گریجویشن کر لینا۔

مجھے منگنی بھی نہیں کرنی۔ مجھے یہ رشتہ پسند ہی نہیں ہے۔

وہ چلانے لگی تھی۔اس کی امی پہلی بار پریشان ہوئی تھیں۔ پچھلے کئی ماہ میں وہ بہت سے رشتے ٹھکرا چکی تھی۔

کیا تمہیں کوئی اور پسند ہے؟انہوں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس سے پوچھا تھا۔

مجھے کوئی پسند نہیں ہے مگر مجھے ابھی شادی یا منگنی کچھ بھی نہیں کرنا ہے۔

اس کی امی خاموشی سے کمرے سے نکل گئی تھیں۔ثانیہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔اس کا خیال تھا کہ اس بار بھی بلا ٹل گئی ہے مگر ایسا نہیں تھا۔

تین دن بعد اس کے والدین نے لڑکے والوں کو ہاں کر دی تھی اور منگنی کی تاریخ بھی طے کر دی تھی۔اس کے چیخنے اور چلانے کی انہوں نے پرواہ نہیں کی تھی۔

تم منگنی ہونے دو۔ منگنی سے کچھ نہیں ہوتا۔ کم از کم روز روز کے پرپوزلز سے تو تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔

ڈیوڈ سے رابطہ کرنے پر اس نے ثانیہ کو سمجھایا تھا۔

لیکن ڈیوڈ اگر انہوں نے شادی کے لیے اصرار کیا تو؟

تب دیکھا جائے گا۔ فی الحال تم کسی پر کچھ ظاہر مت کرو۔

اس نے ڈیوڈ کے کہنے پر خاموشی سے منگنی کروالی تھی۔ اس کی خاموشی پر سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ لیکن ثانیہ کے دل میں ان سب کے خلاف گرہ پڑ چکی تھی۔

ان لوگوں کے نزدیک میں انسان نہیں، بھیڑ بکری ہوں۔ جسے وہ جب چاہیں، جس کے لیے چاہیں ذبح کر دیں۔

منگنی کی انگوٹھی پہنتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ منگنی کے چند ہفتوں کے بعد ہی اس کے سسرال والوں نے شادی کی تاریخ طے

کرنے پر اصرار شروع کر دیا تھا۔وہ بری طرح سٹپٹائی تھی۔

ڈیوڈ اب تم پلیز اپنے پیرنٹس سے بات کرو۔میرے ابو چند ماہ تک میری شادی کی تاریخ طے کر دیں گے اور مجھے اس سے پہلے اس گھر سے نکلنا ہے۔

ڈیوڈ اس کی بات پر پریشان ہو گیا تھا۔وہ رو رہی تھی۔

پلیز ثانیہ تم رونا بند کر دو،۔میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوں لیکن تم روتی رہو گی تو میرے لیے کچھ کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اس نے ثانیہ کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

میں اپنے پیرنٹس سے ایک دو دن میں بات کرتا ہوں۔دیکھتا ہوں۔ان کا کیا ری ایکشن ہوتا ہے۔

وہ بے حد فکر مند لگ رہا تھا۔

ربیکا تین دن سے کالج نہیں آ رہی تھی۔تیسرے دن اسے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر ثانیہ تیر کی طرح اس کے پاس گئی تھی۔

کیا ہوا بھئی؟اتنے دن سے کہاں تھیں؟میں نے فون کیا تو تمہارے ملازم نے بتایا کہ تم گھر پر نہیں ہو۔کہاں گئی ہوئی تھیں۔ مجھے بتایا۔۔۔۔۔

ثانیہ بات کرتے کرتے اچانک رک گئی تھی۔ اسے احساس ہوا تھا کہ ربیکا اسے بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ثانیہ مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ہم کلاس میں نہیں جا رہے ہیں۔ربیکا نے سرد لہجے میں اس سے کہا تھا۔

تم ڈیوڈ کے ساتھ کیا کرنا چاہتی ہو؟لان کے ایک سنسان گوشے میں آتے ہی اس نے پوچھا تھا۔ثانیہ کچھ بول نہیں سکی۔

میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی ثانیہ کہ تم اتنی بے وقوف ہوسکتی ہو۔

پلیز ربیکا کچھ مت کہو۔

کیوں نہ کہوں۔تم جانتی ہو۔تمہاری وجہ سے ہمارے گھر میں کیا کیا ہوا ہے۔تمہاری وجہ سے پہلی بار ڈیوڈ نے ممی اور ڈیڈی سے جھگڑا کیا ہے اور پھر سسلیپنگ پلز کھالیں۔

ربیکا ثانیہ کے منہ سے چیخ نکلی تھی۔

وہ بچ گیا ہے لیکن جو کچھ تم دونوں کرنا چاہتے ہو،وہ ہم سب کو مار ڈالے گا۔

ڈیوڈ کیسا ہے؟ وہ گھر پر ہے

یہ سب چھوڑو۔تم اس کی زندگی سے نکل جاؤ۔دیکھو ثانیہ میرا صرف ایک بھائی ہے۔اسے کچھ ہو گیا تو ہم۔۔۔ہم جیتے جی

مر جائیں گے۔تم مسلم ہو۔ہم اقلیت ہیں۔ہمیں یہاں رہنا ہے۔ ہمارا گھر بار سب کچھ یہیں ہے مگر ڈیوڈ سے تمہاری شادی کے بعد ہمارا گھر برباد ہو جائے گا۔

ربیکا میں اس سے محبت کرتی ہوں۔

تمہیں اس سے بہتر لڑکے مل جائیں گے اور پھر تمہاری تو منگنی بھی ہو چکی ہے پھر تم کیوں میرے بھائی کے پیچھے پڑ گئی ہو۔

منگنی میں نے ڈیوڈ کے کہنے پر کروائی تھی۔ مجھے اپنے فیانسی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

ثانیہ تم میرے بھائی کا پیچھا چھوڑ دو، ورنہ میں تمہاری گھر والوں کو سب کچھ بتا دوں گی۔اس عمر میں محبت وغیرہ نہیں ہوتی۔ صرف دلچسپی ہوتی ہے اور دلچسپی کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے۔تم مسلم ہو۔ڈیوڈ کرسچن ہے۔تمہارے مذہب میں ویسے بھی اس کے ساتھ شادی جائز نہیں ہے۔کیا تم اپنے مذہب کے خلاف جاؤ گی۔

ربیکا نے اسے ایموشنلی بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔

مجھے ڈیوڈ سے محبت ہے اور میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔

تم پاگل ہو چکی ہو ثانیہ اور پاگل اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔ اگر تم ڈیوڈ کو نہیں چھوڑ سکتیں تو پھر اپنی اور میری دوستی کو ختم سمجھو۔ دوبارہ کبھی میرے گھر مت آنا۔

ربیکا میں ڈیوڈ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ میرا سب کچھ ہے۔ تم مجھے اس کے پاس جانے سے روک سکتی ہو مگر اسے میرے پاس آنے سے نہیں روک سکتیں۔ میرے پیرنٹس کو اگر تم کچھ بتاؤ گی تو میں ڈیوڈ کے ساتھ گھر سے بھاگ جاؤں گی پھر کیا ہوگا۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔

ربیکا نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

میں نے تم سے دوستی کر کے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ثانیہ نے اس کی بات پر کچھ نہیں کہا تھا۔

شام کو وہ ربیکا کے گھر پہنچ گئی تھی۔ پہلی بار وہاں اس کا استقبال بڑی سرد مہری سے کیا گیا تھا اور اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ ربیکا کا بس چلتا تو شاید وہ اسے دھکے دے کر وہاں سے نکال دیتی۔ وہ ڈھیٹوں کی طرح خود ہی اٹھ کر ڈیوڈ کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ جاگ رہا تھا۔وہ اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگی تھی۔

☆

تم جانتی ہو۔ جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ڈیوڈ کے پاس سے آنے کے بعد ربیکا نے اسے روک لیا تھا۔ لاؤنج میں ربیکا کے والدین کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

میں جانتی ہوں۔اس نے سر جھکاتے ہو کہا تھا۔

لاؤنج میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی تھی پھر ڈیوڈ کے ڈیڈی نے کہا تھا۔

تمہیں یا ڈیوڈ کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں اس لیے تم دونوں کی مدد کرنے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ میں ڈیوڈ کا باپ ہوں۔ اس نے اپنے آپ کو جس مصیبت میں پھنسا لیا ہے، میں اسے وہاں اس حالت میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں چند ہفتوں تک تمہارے کاغذات بنوالوں گا پھر تمہیں امریکہ بھجوا دوں گا۔ وہاں تم اس وقت تک میری بہن کے پاس رہو گی جب تک ڈیوڈ اپنی انجینئرنگ مکمل نہیں کر لیتا۔ سال کے اینڈ میں ڈیوڈ امریکہ آئے گا اور وہاں تم دونوں کی شادی ہو جائے گی اور ڈیوڈ پھر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے پاکستان آ جائے گا۔ بعد میں ڈیوڈ بھی امریکہ سیٹل ہو جائے گا مگر تم ایک بات ذہن میں رکھنا کہ تمہیں اپنے گھر والوں کو ڈیوڈ کے بارے میں کچھ نہیں بتانا۔ جب تمہارے پیپرز مکمل ہو جائیں گے تو تم خاموشی سے گھر چھوڑ کر آ جانا۔ میں نہیں چاہتا

تمہارے گھر والوں کو اس معاملے کا پتا چلے اور پھر میرے بیٹے کو اور میری فیملی کو کوئی نقصان پہنچے۔

انہوں نے ثانیہ کو سنجیدگی سے سب کچھ بتا دیا تھا۔

اس دن ڈیوڈ کے گھر سے نکلتے ہوئے وہ بے تحاشا خوش تھی۔ چند گھنٹوں پہلے تک ناممکن نظر آنے والی چیز ناممکن نہیں رہی تھی۔ اب ممکن نظر آنے لگی تھی۔ اب میں اور ڈیوڈ ساری زندگی اکٹھے گزاریں گے۔ اس کا دل جیسے بلیوں اچھل رہا تھا۔

ہاں میں اپنے گھر والوں کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ ورنہ وہ ڈیوڈ اور اس کی فیملی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ میں وہی کروں گی جو ڈیوڈ کے ڈیڈی چاہتے ہیں۔

اسے یہ سب طے کرتے ہوئے ایک بار بھی اپنی فیملی کا خیال نہیں آیا تھا۔ ایک بار بھی اسے اپنے فیصلے کی سنگینی اور ہولناکی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ ٹین ایج میں تھی اور اس کے لیے اتنا ہی کافی

تھا کہ جس شخص سے وہ محبت کرتی ہے، وہ یکدم اس کی دسترس میں آ گیا ہے۔

اگلے چند ہفتوں میں وہ ڈیوڈ کے ڈیڈی کے ساتھ دو تین بار اپنے پیپرز کے سلسلے میں امریکن ایمبیسی جاتی رہی تھی۔ ہر کام بہت تیز رفتاری سے ہو رہا تھا۔ امریکن ایمبیسی کے ایک سینئر آفیسر نے اپنی زندگی کے اتنے اہم فیصلے پر اس طرح جرأت اور بہادری دکھانے پر اس کی تعریف کی تھی۔

تم دوسری پاکستانی لڑکیوں کے لیے ایک مثال ہو۔ اس وقت ان کلمات پر بے تحاشا فخر محسوس ہوا تھا۔

ہاں واقعی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ میں اپنے والدین کو کیوں کرنے دیتی۔ خود کیوں نہ کرتی۔ میں جو کر رہی ہوں، ٹھیک کر رہی ہوں۔ اسے مزید اطمینان ہو گیا تھا۔

گھر میں کسی کو بھی اس کی سرگرمیوں پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔ وہ بہت نارمل طریقے سے گھر میں رہتی تھی۔اپنی امی اور بھابھی کے ساتھ اپنی شادی کے لیے چیزوں کی خریداری کے لیے بھی بازار جاتی رہتی مگر دوسری طرف اس نے اپنی بہت سی چیزیں آہستہ آہستہ ربیکا کے گھر منتقل کر دی تھیں۔اپنے پاس موجود سارا زیور اور بینک اکاؤنٹ میں موجود سارا روپیہ وہ ڈیوڈ کے والدین کے حوالے کر چکی تھی۔ چند دن تک اسے امریکہ کا ویزا ملنے والا تھا اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے اپنا گھر چھوڑنے پر تیار تھی۔

اس دن وہ کالج سے ڈیوڈ کے ساتھ چلی گئی تھی۔اس کے ساتھ لنچ کرنے کے بعد جب وہ چار بجے کے قریب گھر آئی تو گھر میں اس کے لیے ایک ہنگامہ تیار تھا۔اس کے سب سے چھوٹے بھائی نے اسے ڈیوڈ کے ساتھ ریسٹورنٹ میں لنچ کرتے دیکھ لیا تھا اور اس نے گھر آ کر یہ بات سب کو بتا دی تھی۔

ثانیہ صبح اپنی امی سے یہ کہہ کر گئی تھی کہ وہ کالج سے ربیکا کے

گھر جائے گی مگر جب اس کے بھائی نے گھر آ کر اس کی امی کو بتایا تو انہوں نے ربیکا کے گھر فون کیا۔ ربیکا نے انہیں بتا دیا کہ وہ ان کے ہاں نہیں ہے۔

ثانیہ کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔ اپنی امی کے پوچھنے پر اس نے یہی کہا کہ وہ ربیکا کے گھر سے آ رہی ہے۔ اس کے بھائی کو بھڑکانے کے لیے اس کا یہی جملہ کافی تھا۔ اس نے ثانیہ پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔ اس کی امی نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی، نہ ہی بھابھی نے۔ آدھ گھنٹہ بھر وہ بری طرح اپنے بھائی سے پٹتی رہی تھی لیکن اس نے یہ نہیں مانا تھا کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ لنچ کرنے گئی تھی۔

رات کو اس کے ابو اور بڑے بھائی گھر آ تھے اور نئے سرے سے عدالت لگ گئی تھی۔ تب اس کے صبر کی حد ختم ہو گئی تھی۔

ہاں گئی تھی کسی لڑکے کے ساتھ لنچ کرنے پھر۔۔۔ کیا تم

نہیں جاتے نئی نئی لڑکیوں کے ساتھ لنچ کرنے۔ وہ پہلی بار اپنے چھوٹے بھائی پر چلائی تھی۔

بلال نے جواباً اس کے منہ پر زور کا تھپڑ مارا تھا اور اس بار خاموشی سے پٹنے کی بجائے اس نے بلال کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی اس حرکت نے اس کے بھائی کو اور مشتعل کیا تھا۔ اس نے اس کے چہرے پر ایک اور تھپڑ مارا تھا۔ ثانیہ نے تھپڑ کھانے کے بعد کارنس پر رکھا ہوا ایک گلدان اٹھایا اور اشتعال میں پوری قوت سے بلال کو دے مارا تھا۔ اس نے گلدان بلال کے ماتھے پر لگتے اور پھر خون کی ایک لکیر نکلتے دیکھی تھی۔ باقی سب جو خاموش تماشائی بنے بیٹھے تھے۔ یکدم جیسے ان میں حرکت پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے ابو اس بار اس کی طرف آتے اور ان کے ہاتھ میں جو چیز آئی تھی۔ انہوں نے ثانیہ کو اس سے مارا تھا۔ وہ جواباً چلاتی رہی تھی۔

ہاں مجھے اسی لڑکے سے شادی کرنی ہے جسے میں چاہتی ہوں۔ میں مر جاؤں گی لیکن کبھی وہاں شادی نہیں کروں گی، جہاں

آپ چاہتے ہیں۔

کس سے شادی کرو گی؟ بتاؤ، کس سے شادی کرو گی؟ اس کی امی ہذیانی انداز میں چیخنے لگی تھیں۔

ڈیوڈ سے شادی کروں گی، ڈیوڈ سے۔

وہ پاگلوں کی طرح چلائی تھی۔ اس کے ابو یکدم ساکت ہو گئے تھے۔ ہر شخص اپنی جگہ جیسے پتھر کا مجسمہ بن گیا تھا۔ وہ اپنے ہونٹوں سے نکلتا ہوا خون ہاتھ سے پونچھتے ہو بڑی بے خوفی سے ہر ایک کو دیکھتی رہی۔

ربیکا کے بھائی سے؟ اس کی امی کی آواز جیسے کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی سنائی دی تھی۔

ہاں ربیکا کے بھائی سے۔

وہ آج جتنی نڈر تھی، پہلے کبھی نہیں تھی۔ بلال کی آنکھوں

میں خون اتر آیا تھا۔

اور میں نے تم دونوں کو زندہ رہنے دیا تو پھر کہنا۔ اسے تو میں دیکھ لوں گا لیکن تم آج کے بعد اس گھر سے قدم باہر نکالنا اور پھر دیکھنا۔ میں تمہارا کیا حشر کروں گا۔

ثانیہ تمہارا دماغ کیوں خراب ہو گیا ہے۔ تمہیں پتا ہے تم کیا کر رہی ہو۔ تم مسلمان ہو اور وہ کرسچن ہے۔ ہمارے مذہب میں یہ شادی جائز نہیں ہو سکتی۔ تم دوزخ میں..... آمنہ بھابھی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

میں اب دوزخ میں ہوں۔ یہ گھر دوزخ ہے میرے لیے۔ اور آپ جو کہہ رہی ہیں، غلط کہہ رہی ہیں، محبت میں کوئی مسلمان اور کرسچن نہیں ہوتا اور میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ وہ بلا جھجک بولتی گئی تھی۔

بلال چیل کی طرح اس پر جھپٹا تھا اور اس نے اس کا گلا دبانا

شروع کر دیا تھا۔ ثانیہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود اس کے ہاتھوں سے اپنی گردن نہیں چھڑا پا رہی تھی۔ تب ہی اس کے بڑے بھائی نے زبردستی بلال کو پیچھے دھکیلا تھا۔ اس کا دوسرا بھائی بلال کو کمرے سے لے گیا تھا، جواب اسے گالیاں بک رہا تھا۔

امی آئندہ یہ گھر سے باہر نہیں جا گی۔ کالج بھی نہیں۔ اس کے بڑے بھائی نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

اگلے کئی دن وہ گھر میں قید رہی تھی۔ وہ کوشش کے باوجود ڈیوڈ سے رابطہ نہیں کر سکی۔ اس شام اس کی امی اور بھابھی اسے اپنے ساتھ لے کر جیولر کے پاس گئی تھیں اور ثانیہ نے طے کر لیا تھا کہ گھر سے نکلنے کے لیے اس کے پاس شاید دوسرا موقع دوبارہ نہیں آ سکتا۔ جیولر کی دکان میں داخل ہوتے ہوئے اس کی امی اور بھابھی اس کے آگے تھیں۔ وہ جیولر کی دکان میں داخل ہو گئی تھیں لیکن ثانیہ اندر نہیں گئی تھی۔ وہ دائیں جانب بھاگنا شروع ہو گئی تھی۔ اپنے

پیچھے اس نے بھابھی کی آواز سنی تھی اور اس کے بعد پاگلوں کی طرح بے تحاشا دوڑتے ہوا اس نے ایک ٹیکسی روک لی تھی۔اس کے پاس جانے کے لیے صرف ایک ہی جگہ تھی، ڈیوڈ کا گھر۔



بیل بجانے پر دروازہ کھولنے ڈیوڈ ہی آیا تھا۔ثانیہ کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا۔

ثانیہ تم اتنے دن سے کہاں تھیں۔تم جانتی ہو،تمہاری سیٹ کنفرم ہوگئی ہے۔پرسوں تمہاری فلائٹ ہے۔میں پریشان تھا.....

ڈیوڈ کہہ رہا تھا۔وہ اس کے ساتھ اندر آ گئی تھی اور پھر اس نے ڈیوڈ کو سارا قصہ سنا دیا تھا۔اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

اب کیا ہوگا؟اس نے بے چارگی سے ڈیوڈ سے پوچھا تھا۔

آؤ ڈیڈی سے بات کرتے ہیں۔

وہ اسے لے کر اندر چلا گیا تھا اور اندر جا کر اس نے سارا قصہ اپنے ڈیڈی کو بتا دیا تھا۔ ڈیوڈ کے تمام گھر والے یکدم پریشان ہو گئے تھے۔

ثانیہ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہی تھا۔ تمہارے گھر والے اب یہیں آئیں گے۔ ڈیوڈ کے ڈیڈی بہت فکرمند تھے۔

انکل میں اور کہاں جا سکتی تھی؟

پھر بھی تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تمہارے گھر والے پولیس لے کر آ گئے تو معاملہ بہت خراب ہو جا گا۔ تم میرے ساتھ آ ؤ۔ میں تمہیں اپنے کسی دوست کے ہاں چھوڑ آ تا ہوں۔

انہوں نے اٹھتے ہو کہا تھا۔ وہ ڈیوڈ اور اس کے والدین کے ساتھ باہر پورچ میں نکل آئی تھی۔

تم پریشان مت ہونا، سب کچھ ٹھیک ہو جا گا۔

ڈیوڈ نے اس کے لیے کار کا دروازہ کھولتے ہو کہا تھا۔ وہ ممنون انداز میں مسکرائی تھی۔ ڈیوڈ گیٹ کھولنے کے لیے گیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ ڈیوڈ کے ڈیڈی گاڑی اسٹارٹ کر رہے تھے اور ڈیوڈ گیٹ کھول کر پلٹ رہا تھا جب ثانیہ نے اس کے بالکل پیچھے گیٹ کے باہر کسی کو نمودار ہوتے دیکھا تھا۔ وہ بجلی کی رفتار سے گاڑی سے نکل آئی تھی۔ ڈیوڈ اپنے پیچھے ابھرنے والی قدموں کی چاپ پر پلٹا تھا۔ ثانیہ نے اس شخص کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز کو دیکھ کر چیخ ماری تھی۔

بلال ڈیوڈ کو کچھ مت کہنا۔ اس نے بلال کو اپنی طرف دیکھتے اور ہاتھ سیدھا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اگلے لمحے فائر کی ایک آواز کے ساتھ اس نے ڈیوڈ کو زمین پر گرتے دیکھا تھا۔ ڈیوڈ کی ممی چیخ کر ڈیوڈ کی طرف بھاگی تھیں۔ اس نے زمین پر گرے ہوئے ڈیوڈ پر بلال کو ایک اور فائر کرتے دیکھا تھا۔ ڈیوڈ کے جسم کو ایک اور جھٹکا لگا تھا۔ اس کا وجود خوف سے سرد ہو گیا تھا۔ اس نے

بلال کو ریوالور اپنی طرف سیدھا کرتے دیکھا تھا، وہ بے حس و حرکت تھی۔ کسی نے اسے دھکا دیا تھا پھر اس نے فائر کی آواز سنی تھی پھر کچھ اور چیخیں سنائی دی تھیں۔

اس نے ربیکا اور انیتا کو چیختے ہوئے ڈیوڈ کی طرف لپکتے دیکھا تھا۔ اس نے فرش سے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ فائر کی ایک اور آواز سنائی دی تھی۔ وہ کھڑی ہوگئی تھی۔ اس نے بلال کو کچھ لوگوں کی گرفت میں دیکھا تھا۔ ڈیوڈ کے ڈیڈی ملازموں سے کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بلال کو کھینچتے ہوئے کہیں لے جایا گیا تھا۔ انکل ایک ملازم کے ساتھ مل کر ڈیوڈ کو اٹھا رہے تھے۔

ڈیوڈ کی ممی، ربیکا اور انیتا بلند آواز میں چیخیں مار رہی تھیں۔ اسے زمین پر خون کا ایک تالاب نظر آیا تھا۔ ڈیوڈ کو گاڑی میں ڈال دیا گیا تھا۔

اس نے ڈیوڈ کا چہرہ دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اس کا جسم ساکت تھا۔اس کی سفید شرٹ خون سے تر تھی۔گاڑی ایک زناٹے کے ساتھ پورچ سے نکل گئی تھی۔اس نے ڈیوڈ کے خون سے گاڑی کے ٹائروں کو لتھڑتے اور پھر فرش پر نشان بنا کر جاتے دیکھا تھا۔ڈیوڈ کی پوری فیملی اس کے ساتھ چلی گئی تھی۔وہ وہاں اکیلی تھی۔اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چند منٹ پہلے کیا ہوا تھا۔ڈیوڈ کا خون گیٹ کے اوپر لگی فلڈ لائیٹس کی روشنی میں چمک رہا تھا۔وہ اس جگہ پر آ گئی تھی اور پھر۔۔۔پھر جیسے سب کچھ اس کی سمجھ میں آنا شروع ہو گیا تھا۔

بلال نے۔۔۔بلال نے۔۔۔۔

غم و غصہ کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی تھی۔تم اگلی بار اس سے ملنا میں تم دونوں کو قبر میں اتار دوں گا۔

اسے بلال کی دھمکی یاد آئی تھی مگر وہ دھمکی نہیں تھی۔جس وقت وہ یہ بات جانتی تھی،تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو ہسٹریائی انداز میں چلاتے پایا تھا پھر اسے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا تا محسوس ہوا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس نے خود کو ایک کمرے میں پایا تھا مگر وہ کمرہ ڈیوڈ کے گھر کا نہیں تھا۔

تو اب تم ہوش میں آ گئی ہو۔

اس کے بیڈ کے قریب کھڑی ایک سیاہ فام عورت نے اس سے کہا تھا۔ ثانیہ اسے دیکھنے لگی تھی۔

تم کیسا محسوس کر رہی ہو؟ اس عورت نے مسکراتے ہوا اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہو پوچھا تھا۔

ثانیہ کے ذہن میں ایک جھما کا ہوا تھا۔ ڈیوڈ.....ڈیوڈ کیسا ہے؟ وہ بے اختیار اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

وہ عورت خاموش رہی تھی۔ڈیوڈ کیسا ہے؟ ثانیہ جیسے اپنے حواس میں نہیں تھی۔اس نے چلا کر پوچھا تھا۔

(وہ مر چکا ہے۔) اس عورت نے کہا تھا۔ HE IS DEAD

ڈیڈ.....

ثانیہ کی آواز جیسے کسی کھائی سے آئی تھی۔اس عورت نے اب نرمی سے اس کے کندھے تھپتھپانا شروع کر دی تھے۔

میں جانتی ہوں یہ خبر تمہارے لیے شاکنگ ہے مگر یہی سچ ہے۔ڈیوڈ کی فیملی ابھی اس کی آخری رسوم کی تیاری کر رہی ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ یہاں آئیں گے اور پھر تم سے کچھ ضروری باتیں ہوں گی۔

وہ عورت اسے انگلش میں بتاتی جا رہی تھی۔

میں کہاں ہوں؟

تم امریکن ایمبیسی میں ہو۔تم نے امریکہ میں سیاسی پناہ کے لیے اپلائی کیا تھا۔ان حالات میں ڈیوڈ کی فیملی کے کہنے پر ہم نے تمہیں اپنی تحویل میں لیا ہے۔کیونکہ تمہاری زندگی کو خطرہ تھا۔

وہ گم صم اس کے چہرے کو دیکھتی رہی تھی۔زندگی کا ہر راستہ یکدم تاریک ہو گیا تھا۔اس نے خود کو بند گلی کے آخری سرے پر کھڑے پایا تھا۔

زندگی میں کبھی اسے اپنے خاندان سے اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی اس دن ہوئی تھی۔اسے یاد نہیں وہ اس دن کتنا چیخی تھی یا اس نے بلال کو کتنی بد دعائیں دی تھیں یا ڈیوڈ کو کتنی بار پکارا تھا۔اسے صرف یہ یاد تھا کہ اس کے چلانے پر کمرے میں کچھ اور لوگ آئے تھے اور ان میں سے ایک نے زبردستی اسے ایک انجکشن لگا دیا تھا۔غنودگی کی حالت میں بھی جو آخری چہرہ اس کے سامنے تھا

وہ ڈیوڈ کا چہرہ تھا۔



اگلے بہت سے دن اسی طرح گزر گئے تھے۔ وہ اسی کمرے میں بند رہی تھی۔ اسے نہیں پتا باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا تھا۔ اس کے والدین اسے کہاں اور کیسے تلاش کر رہے تھے۔ بلال کے ساتھ کیا ہو رہا تھا۔ ڈیوڈ کی فیملی پر کیا گزر رہی تھی اور.....

اور اب خود اس کے ساتھ آگے کیا ہوگا۔ وہ جیسے چند ہفتوں کے لیے اپنی شناخت بھول گئی تھی۔ اسے اس کمرے سے باہر نکلنے کی خواہش ہی نہیں ہوتی تھی۔

پھر ایک دن اس نے اپنے بارے میں سوچنا شروع کیا تھا اور اسی دن اس عورت کے آنے پر اس سے ڈیوڈ کی فیملی کے بارے میں پوچھا تھا۔

وہ امریکہ جا چکے ہیں۔ یہاں پر ان کی جان کو خطرہ تھا۔ کیونکہ تمہاری فیملی کے لوگ تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں اور ان کا خیال تھا کہ تمہیں ڈیوڈ کی فیملی نے کہیں چھپایا ہے۔ اس لیے ان کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

اس عورت نے تفصیل سے اسے بتایا تھا۔ اسے ایک دھچکا لگا تھا۔

وہ لوگ مجھ سے ملے بغیر باہر چلے گئے۔ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ مجھے تو ان سب کے ساتھ رہنا تھا۔ مجھے تو ان کے ساتھ باہر جانا تھا۔

تمہارا ان کے ساتھ باہر جانا یا ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے۔

کیوں ممکن نہیں ہے؟

ابھی کوئی یہ نہیں جانتا کہ تم ہماری ایمبیسی میں ہو اور ہم یہ

چاہتے بھی نہیں کہ کسی کے علم میں یہ بات آئے۔تمہارا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ پر ہے۔اس لیے تمہیں ابھی باہر نہیں بھجوایا جا سکتا۔ چند ماہ تک جب یہ معاملہ ٹھنڈا ہو جا گا تو تمہیں باہر بھجوا دیا جا گا۔اس کے بعد تم اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کے لیے آزاد ہو گی۔اس عورت نے اس سے کہا تھا۔

بلال کے ساتھ کیا ہوا؟اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پوچھا تھا۔

کیس کورٹ میں جا چکا ہے۔وہ پولیس کی حراست میں ہے۔وہ ایک بار پھر چپ ہو گئی۔

میں یہاں سے باہر نکلنا چاہتی ہوں۔

باہر نکلنا تمہارے لیے مناسب نہیں۔تمہاری یہاں موجودگی ایک راز ہے۔یہاں سے باہر نکلو گی تو ایمبیسی کے پاکستانی ملازمین اور وہاں آنے جانے والے لوگ تمہاری موجودگی کے

بارے میں باخبر ہو سکتے ہیں۔تب تمہیں چھپانا بہت مشکل ہو جا گا۔ تم چند دن یہاں صبر سے گزارلو پھر ہم تمہیں کہیں اور شفٹ کر دیں گے۔وہاں تم زیادہ آسانی سے رہ سکو گی۔

میں ڈیوڈ کی قبر پر جانا چاہتی ہوں۔

فی الحال یہ ممکن نہیں ہے۔

☆

چند دنوں بعد ایک رات اسے ایک گاڑی میں ایمبیسی کے باہر ایک بلڈنگ میں لے جایا گیا تھا۔وہ اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کے لیے کرایہ پر لی گئی عمارت تھی۔اسے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے بھائی کے خلاف چلنے والے کیس کی صورت حال کیا ہے۔

اگلے کئی ہفتے اسے وہیں رکھا گیا تھا اور اسی عرصہ کے

دوران ہیومن رائیٹس کے لیے کام کرنے والی ایک بین الاقوامی تنظیم کی کچھ عہدے داران اس کے پاس آتی رہی تھیں اور اس سے بہت سی باتیں پوچھتی رہی تھیں۔ اس کے پاس بیٹھ کر وہ گھنٹوں اسے اس کے حقوق کے بارے میں بتاتی رہتی تھیں۔

اس کی دیدہ دلیری کی داد دیتی تھیں اور اسے بتاتی تھیں کہ اس کے اس قدم سے پاکستانی لڑکیوں میں کتنا شعور اور بیداری پیدا ہوگی۔ وہ اخبارات کا مطالعہ نہیں کرتی تھی مگر ان لوگوں کی باتوں سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے کیس کو انٹرنیشنل اور نیشنل میڈیا کس طرح ہائی لائٹ کر رہا ہوگا۔

ایک مسلمان لڑکی جس نے محبت کی خاطر اپنے مذہب اور خاندان کی پرواہ نہ کی۔ مگر اس وقت اس جملے میں چھپی ہوئی ذلت کو وہ سمجھنے کے قابل نہیں تھی۔ اس وقت اس کے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی کہ اس کے خاندان نے ڈیوڈ کو اس سے جدا کر دیا ہے۔

وہ اس کی زندگی کے ہولناک ترین دن تھے۔گھر سے بے گھر اور نام سے بے نام ہونا اگر تکلیف دہ تھا تو مذہب سے بالکل کٹ کر رہ جانا ایک عذاب تھا۔مگر ان دنوں اسے احساس نہیں تھا کہ وہ کسی تکلیف سے ہی نہیں عذاب سے بھی گزر رہی تھی۔تب وہ کچھ سوچنے اور سمجھنے کے قابل نہیں تھی۔وہ وہی سوچتی تھی جو اسے کہا جاتا تھا اور وہ اسے ہی ٹھیک سمجھتی تھی۔وہ ان باتوں کو جج نہیں کر پاتی تھی۔

سب کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا تھا۔اس بات کا احساس اسے پہلی بار تب ہوا تھا جب اس سے ملنے آنے والی کچھ غیر ملکی ننوں نے اسے بائیبل کے حوالے سے کچھ مذہبی مواد پڑھنے کے لیے دیا تھا۔وہ اس مواد کو پڑھنے کے بعد یکدم بے چین ہو گئی تھی۔اسے احساس ہونے لگا تھا کہ وہ کون ہے اور کیا کر رہی ہے۔اسے یاد آیا تھا کہ بچپن میں وہ قرآن پڑھتی رہی تھی۔ترجمے سے اپنی کتاب کو نہ پڑھنے کے باوجود اسے اس کتاب سے محبت تھی،انس تھا،عقیدت

تھی اور اب۔۔۔ اب وہ لوگ اس سے کیا چاہتے تھے۔ پہلی بار اسے ان لوگوں کے درمیان خوف آنے لگا تھا۔

پھر اسے مذہبی لٹریچر باقاعدگی سے دیا جانے لگا تھا۔ اسے احساس ہونے لگا تھا کہ وہ کسی ایسے گرداب میں پھنس گئی ہے جہاں سے نکلنے کے بعد بھی اس کے اردگرد پانی ہی ہوگا، زمین نہیں۔ ہر بار ان ننوں سے وہ کتابیں لینے کے بعد اس کے دل میں اپنی کتاب کو ایک بار پھر سے دیکھنے، ایک بار پھر سے چھونے، ایک بار پھر سے پڑھنے کی خواہش اور شدید ہو جاتی۔

وہ ان کتابوں کو لینے کے بعد رکھ دیتی۔ وہ انہیں پڑھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ پڑھنا چاہتی بھی تو اس کے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔ وہ سارا میٹریل اس کے لیے نامانوس تھا، اجنبی تھا۔ وہ لفظ سمجھنا اس کے لیے مشکل تھا۔ وہ ساری رات جاگ جاگ کر ان چھوٹی چھوٹی آیات اور دعاؤں کو یاد کرنے کی کوشش کرتی رہتی جو بچپن میں کبھی اس کی امی نے اسے سکھائی تھیں۔ مگر کچھ بھی یاد نہیں آتا تھا۔

اس کے ذہن سے جیسے سب کچھ مٹ چکا تھا۔اس کا خوف اور وحشت بڑھتی جا رہی تھی۔اسے چھوٹے سے چھوٹا درود شریف دہرانے میں بھی مشکل ہوتی۔وہ رات کو کئی کئی گھنٹے درود کے اگلے لفظ کو یاد کرنے کے لیے پاگلوں کی طرح کمرے کے چکر کاٹتی رہتی۔بعض دفعہ لفظ یاد آ جاتا۔اسے کچھ سکون مل جاتا۔جب اگلا لفظ یاد نہ آتا تو وہ تکیے میں منہ چھپا کر کتنی کتنی دیر روتی رہتی۔

کچھ عرصے کے بعد اسے ایک چرچ کے ساتھ منسلک کر دیا گیا تھا۔وہ پہلی رات وہاں آنے کے بعد سو نہیں سکی تھی۔یہاں سے جب میں نکلوں گی تو میں کیا ہوں گی۔کیا میں کبھی یہاں سے نکل بھی سکوں گی یا نہیں۔وہ ساری رات ایک ہی جگہ بیٹھی سوچتی رہی تھی پھر یہ سب کئی راتوں تک ہوتا رہا تھا۔وہ ان لوگوں کو یہ بتانے کی ہمت نہیں رکھتی تھی کہ وہ ان کے مذہب میں دلچسپی نہیں رکھتی۔اسے ان کی کتابیں نہیں پڑھنا ہیں اسے ان کی باتوں سے بھی دلچسپی نہیں ہے۔وہ ان کے ساتھ رہنا بھی نہیں چاہتی۔

مگر پھر۔۔۔ پھر وہ کہاں جائے گی۔ یہ سب کچھ بتانے اور کہنے کے بعد وہ لوگ اسے چھوڑ دیں تو وہ کیا کرے گی۔ باہر اس کے خاندان والے تھے، وہ ان سے چھپ نہیں سکتی تھی۔ وہ ان کے پاس جا بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ مکڑی کے ایک ایسے جال میں پھنس چکی تھی جہاں ہر روز اس کے گرد ایک تار کا اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اس جال میں وہ اپنی مرضی سے آئی تھی۔

صبح ناشتے، لنچ اور ڈنر سے پہلے ڈائننگ ٹیبل کے ارد گرد تمام سسٹرز کھڑی ہو کر کھانے سے پہلے کی دعا کرتیں۔ جس میں وہ اس کھانے کو ان تک پہنچانے کا ذمہ دار گاڈ اور یسوع مسیح کو قرار دیتیں اور اس کے لیے کھانا کھانا مشکل ہو جاتا۔ ان سب کے ساتھ آنکھیں بند کیے وہ وحشت کے عالم میں دہراتی رہتی۔

یسوع مسیح میں آپ کی عزت کرتی ہوں۔ میں آپ کا احترام کرتی ہوں۔ کیونکہ آپ بھی پیغمبر ہیں مگر یہ کھانا مجھے اللہ دے رہا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں اور میرے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم ہیں اور میں ان ہی کی پیروکار ہوں۔

یہ سب کہنے کے باوجود اس کی وحشت میں کمی نہیں ہوتی تھی۔

کتنی دیر، آخر کتنی دیر میں مزاحمت کر پاؤں گی۔ صرف زندہ رہنے کے لیے میں آخر خود کو کتنا گراؤں گی۔ صرف موت سے بچنے کے لیے میں کیا کیا کروں گی۔ کیا مذہب بھی بدل..... بدل لوں گی۔

وہ سوچتی اور اس کی ذہنی ابتری کچھ اور بڑھ جاتی۔

اور پھر اس رات کے پچھلے پہر مایوسی کی انتہاء پر پہنچ کر اس نے خودکشی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں جانتی ہوں، میں جو کر رہی ہوں وہ سب غلط کام ہے مگر میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا۔ صرف اپنا دین رہ گیا ہے اور میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔ میں اب تک ایک گناہ کے بعد دوسرا

گناہ کرتی آ رہی ہوں اور اب میں سب سے بڑا گناہ کرنے جا رہی ہوں مگر یہ گناہ کم از کم مجھے ایک مسلمان کے طور پر مرنے تو دے گا، چاہے یہ موت حرام ہی سہی۔ جو کچھ میں کر چکی ہوں وہ سب کرنے کے بعد، میں اس کی مستحق نہیں ہوں کہ مجھے معاف کر دیا جا مگر پھر بھی میں تم سے ریکویسٹ کرتی ہوں کہ تم مجھے معاف کر دو۔ وہ اس رات کے آخری پہر بہت دیر تک اللہ سے باتیں کرتے ہوئے روتی رہی تھی۔

اگلے دن صبح سب کے ساتھ ڈائننگ روم میں سب کے ساتھ ناشتہ کرنے کے بعد وہ کچن میں گئی تھی اور وہاں سے چوری چھپے ایک چھری اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں کی کلائیوں کی رگیں کاٹنا چاہتی تھی مگر دن کے وقت کوئی نہ کوئی اس کے کمرے میں آتا رہتا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ قدم اٹھانے کے بعد بھی وہ بچ جا۔ اس لیے یہ سب کچھ رات کو کرنا چاہتی تھی۔ اسی دن سہ پہر کو اسے کانونٹ میں موجود لائبریری میں جانے کا اتفاق

ہوا تھا۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں ریکس پر کتابوں کے ڈھیر موجود تھے۔ اس کے ساتھ ایک دو دوسری سسٹرز بھی تھیں۔ وہ خالی الذہنی کے عالم میں ان کے ساتھ ان کتابوں کے ریکس اور شیلف کے سامنے سے گزرتی رہی اور پھر اچانک اس کی نظر ایک شیلف پر پڑی تھی اور اس کا دل ایک لمحے کے لیے جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

وہاں چند دوسرے مذاہب کی کتابوں کے ساتھ قرآن پاک کا ایک انگلش ترجمہ بھی موجود تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں لرزش محسوس کی تھی۔ وہ وہاں سے ہلنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ یہاں سے کہیں جائے گی تو اس کی اپنی کتاب اسے دوبارہ نظر نہیں آ سکے گی۔ دوسری سسٹرز نے کچھ کتابیں نکال لی تھیں اور وہاں سے چلی گئی تھیں اس نے ان سے کچھ دیر بعد آنے کا بہانا لگایا تھا۔ ان کے جانے کے بعد بے اختیار وہ اس شیلف کی طرف آئی تھی اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے قرآن پاک کو نکال لیا تھا۔

اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ لوگوں کو جب خزانے ملتے ہیں تو ان کا کیا حال ہوتا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے قرآن پاک سینے سے لگا گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھے وہ بے تحاشا روتی رہی تھی۔ یہ وہ کتاب تھی جس کو دیکھنے کے لیے، جسے چھونے کے لیے وہ پچھلے کئی ماہ سے ترس رہی تھی۔ بہت دیر بعد برستی آنکھوں کے ساتھ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے قرآن پاک کو کھول لیا تھا اور لرزتی ہوئی آواز میں تلاوت کرنے لگی تھی۔ دھند چھٹنے لگی تھی۔ اس کے پیروں کے نیچے گردش کرنے والی زمین تھم گئی تھی۔ ہر چیز جیسے ایک بار پھر اپنی جگہ پر آنے لگی تھی۔

مجھے مرنا نہیں ہے، زندہ رہنا ہے، اگر گناہ کیا ہے تو اس کی سزا پانی ہے مگر خودکشی نہیں کرنی۔

اس رات اپنے کمرے میں چھری کو ہاتھ میں لے کر اس نے سوچا تھا۔ اور اب..... اب مجھے انکار کرنا سیکھنا ہے۔ ہر اس چیز سے جو میرے اللہ کو پسند نہیں ہے۔ مجھے ایک بار پھر اس رستے کو

ڈھونڈنا ہے جس سے میں بھٹک گئی ہوں۔اس رات اس نے اپنی زندگی کے نئے ضابطے طے کیے تھے۔

اس رات تہجد پڑھتے وقت اسے وہ ساری آیات یاد آنے لگی تھیں جنہیں یاد کرتے ہوئے پہلے اسے گھنٹوں لگ جاتے تھے۔ اس رات اسے ان آیات میں سے کوئی آیت بھی نہیں بھولی تھی۔

مجھے اب صرف ایک چیز چاہئے،اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔میں چاہتی ہوں میرا ایمان باقی رہے۔میں مرتے وقت بھی مسلمان رہوں اور اس ایک چیز کے لیے میں باقی ہر چیز چھوڑنے کو تیار ہوں۔تم چاہو تو مجھے زندگی میں اور کچھ مت دو مگر مسلمان رہنے دو۔

اس رات دعا کرتے ہو اس نے اللہ سے یہ دعا بھی کی تھی۔

اگلے کئی دن وہ خاموشی سے لائبریری میں چلی جاتی اور

وہاں قرآن پاک کو ترجمے سے پڑھتی رہتی،اس کے وجود پر چھایا ہوا جنون اور وحشت آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی تھی۔

اس دن سہ پہر کو وہ سب سسٹرز کے ساتھ سیر کے لیے پارک میں گئی تھی۔ بہت عرصے بعد اس نے باہر کی دنیا کو دیکھا تھا اور وہیں اس نے حدید کو بھی دیکھا تھا۔وہ اس کی بات سن کر خوفزدہ ہوگئی تھی۔کیا یہ جانتا ہے کہ یہ کیا کرنا چاہتا ہے۔کیا اس کے علاوہ بھی ایسے لوگ ہیں جو۔۔۔؟

وہ اسے تلاش کرنے کے لیے پاگلوں کی طرح بھاگی تھی وہ چاہتی تھی وہ اسے اس کام سے روک دے جو وہ کرنا چاہتا تھا اور وہ اسے تلاش نہیں کر پائی تھی۔

پاؤں میں آنے والے زخم کی وجہ سے کئی دن تک وہ ٹھیک سے چل نہیں سکی تھی مگر ہر بار پاؤں میں ٹیس اٹھنے پر اسے حدید ہی کا خیال آتا تھا۔

میں اللہ کی نظروں سے اتنی گر گئی ہوں کہ وہ اب مجھے کوئی موقع بھی دینا نہیں چاہتا۔ وہ بار بار یہی سوچتی تھی۔

مگر پھر سال کی آخری رات کو چرچ میں اس نے ایک بار پھر حدید کو دیکھا تھا اور وہ بے اختیار اس کی طرف گئی تھی۔

جب حدید نے اس کے پوچھنے پر اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا تو وہ جان گئی تھی۔ اسے کس طرح حدید کو کنوینس کرنا ہے۔ اسے حدید سے محبت کا ڈرامہ کرنا تھا۔ تاکہ وہ اس کی بات سننے پر تیار ہوتا کہ وہ اسے اپنا ہمدرد سمجھے اور اس نے حدید سے محبت کا اظہار کیا تھا۔

حدید کو اس کی بات پر یقین آیا تھا یا نہیں، مگر وہ خاموشی سے اس کی ہر بات سنتا اور مانتا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اس سے جھوٹ بول رہی ہے۔ اسے ٹریپ کر رہی ہے مگر اس کے علاوہ اس کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس وقت اسے یہ اندازہ بھی نہیں

تھا کہ جب اس کا یہ جھوٹ کھلے گا تو کیا ہوگا۔

وہ جھوٹ بول کر بہت دن حدید سے ملنے چرچ جاتی رہی تھی۔ اس وقت اسے یہ خوف نہیں آتا تھا کہ اگر اس کی فیملی میں سے کسی نے اسے دیکھ لیا تو کیا ہوگا۔ اس وقت اس کے دماغ پر بس ایک ہی دھن سوار تھی۔ اسے حدید کو گڑھے میں گرنے سے بچانا تھا۔ شاید یہ نیکی اس کے اپنے گناہ کو معاف کروادے۔

پھر ایک دن حدید نے واپس جانے کا فیصلہ کرلیا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اب اسے کیا کرنا تھا۔ وہ حدید کو اب کسی انتظار میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اس سے اپنے رابطے ختم کرنے لگی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اب وہ کسی بھی شاک کا سامنا کرنے کے قابل ہو چکا ہے۔ اب پہلے کی طرح وہ مایوسی کا شکار نہیں ہوگا۔

ان ہی دنوں اس کے بھائی کو عمر قید کی سزا سنادی گئی تھی اور

اس کے کچھ عرصے بعد ای سی ایل میں سے اس کا نام ہٹا دیا گیا تھا۔ باہر جانے سے پہلے اس نے برادر مالکم کو حدید کے بارے میں بتاتے ہو کہا تھا۔ اگر یہ میرے بارے میں آپ سے رابطہ قائم کرے تو آپ اس سے کہہ دیجئے گا کہ میں مر چکی ہوں۔

برادر مالکم کو اس نے حدید کے بارے میں صرف یہ بتایا تھا کہ وہ ایک دوست تھا جسے وہ بہت عرصے سے جانتی تھی مگر اب وہ اس سے کوئی رابطہ رکھنا نہیں چاہتی۔

وہ یکدم حدید سے خط و کتابت کا سلسلہ ترک نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ اس صورت میں وہ پریشان ہو کر واپس آ سکتا تھا۔ امریکہ جانے کے بعد بھی وہ وہاں سے اپنی ایک دوست کو حدید کے نام کبھی کبھار کوئی خط بھجوا دیتی اور اس کی وہ دوست اس خط کو پاکستان سے پوسٹ کر دیتی۔

میں نہیں جانتی، میں نے یہ سب کیوں کیا۔ مجھے یہ سب کرنا چاہئے بھی تھا یا نہیں۔لیکن شاید ان دنوں میں اتنے پچھتاووں کا شکار تھی کہ بس کسی طرح۔۔۔کسی بھی قیمت پر وہ سب حاصل کر لینا چاہتی تھی جو میں نے کھو دیا تھا۔ایک دن میں مسلم تھی۔اگلے دن میں کچھ بھی نہیں تھی۔کچھ ہونے سے کچھ نہ ہونے تک کا سفر میں نے اپنی مرضی سے طے کیا تھا۔کہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔واپسی کا سفر میں نے کانٹوں پر طے کیا ہے۔واپس وہیں تک پہنچنے کے لیے مجھے کئی سال لگ گئے اور میں آج بھی یہ نہیں جانتی کہ خدا کے نزدیک میں کہاں کھڑی ہوں۔جب میں نے تم کو بھی اپنا مذہب چھوڑنے کا ارادہ کرتے دیکھا تو میں نے سوچا۔اگر میں تمہیں اس کام سے روک لوں تو شاید اللہ میرے گناہ معاف کر دے۔شاید وہ میری زندگی آسان کر دے۔شاید وہ.....میں مانتی ہوں اس وقت میں نے خودغرضی دکھائی تھی۔میں نے سوچا تھا اللہ نیکی کا اجر ضرور دیتا ہے۔یہاں بھی.....اور وہاں بھی۔میں نے سوچا اگر میں نیکی کروں تو.....میں مانتی ہوں میں نے اس وقت بھی صرف اپنا سوچا

تھا۔ میں یہ سب اپنے لیے کرنا چاہتی تھی، تمہارے لیے نہیں۔ اپنا مذہب چھوڑ کر میں جنت سے نکل آئی تھی۔ واپس جنت میں جانے کے لیے مجھے نیکیوں کے سہارے کی ضرورت تھی۔ میں نے تم سے محبت کا اظہار اس لیے کیا تھا۔ تا کہ تم مجھ پر اعتماد کرنے لگو، تا کہ تم یہ سمجھ لو کہ میں تمہاری محبت میں گرفتار ہوں اور اس لیے تمہیں اپنے مذہب پر قائم دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس وقت تم سے محبت نہیں تھی۔ میں اس وقت محبت کرنے کے قابل ہی نہیں تھی۔

پارک میں پھیلتی ہوئی تاریکی میں حدید نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ وہ کیا تھی؟ باغی، گناہگار، معصوم ..... یا مسیحا۔ اس نے اندازہ لگانا چاہا تھا۔

جب ڈیوڈ میرے سامنے ختم ہوا۔ میرے لیے ساری دنیا ختم ہوگئی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا۔ مجھے اب زندگی میں کچھ نہیں کرنا۔ مجھے بس رونا ہے۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے دنیا میں

کہیں کچھ ہے ہی نہیں۔ نہ کوئی خدا، نہ پیغمبر، نہ مذہب، نہ رشتہ۔ اگر کچھ ہے تو صرف خودغرضی۔ مجھے ہر چیز سے نفرت ہوگئی تھی، ہر چیز سے۔ میری فیملی مجھے مار دینا چاہتی تھی۔ جب انہوں نے ڈیوڈ کو مار دیا تو بہت دنوں تک میں سو نہیں سکی تھی۔ کمرہ بند ہونے پر بھی مجھے یونہی لگتا تھا جیسے ابھی کہیں سے گولی چلے گی اور میں مر جاؤں گی۔ انہوں نے ڈیوڈ کو میری وجہ سے مارا تھا اور میں جانتی تھی وہ ہر اس شخص کو مار دیں گے جو میرے قریب آنے کی کوشش کرے گا۔ تب میں نے سوچا تھا اب مجھے کسی سے کبھی بھی محبت نہیں کرنی ہے۔ میں کسی اور کا خون اپنے سر نہیں لینا چاہتی تھی۔ جب میں تم سے ملنے لگی تب میں نے سوچا۔ اگر وہ لوگ تمہارے بارے میں جان گئے تو۔۔۔؟ میں خوفزدہ ہوگئی۔ پھر میں نے سوچا۔ میں بہت جلد تم سے ملنا چھوڑ دوں گی ہمیشہ کے لیے اور میں نے ایسا ہی کیا۔ تب تک تم میرے لیے صرف ایک نیکی تھے اور کچھ نہیں۔

لیکن ان چھ سالوں میں سب کچھ بدل گیا۔ میرا خیال تھا

محبت صرف ایک بار ہوتی ہے۔ میرا خیال تھا مجھے ڈیوڈ کے بعد دوبارہ کسی سے محبت نہیں ہوگی۔

وہ رک گئی تھی۔حدید نے اسے چہرہ موڑتے ہو دیکھا تھا۔

ڈیوڈ سے میں نے خود محبت کی تھی۔تم سے اللہ نے کروائی ہے۔ان چھ سالوں میں ہر بار نماز پڑھنے کے بعد میں نے ایک ہی دعا کی تھی۔ میں تمہیں کبھی نہ دیکھوں،تم سے کبھی نہ ملوں۔ میں نے اللہ سے کہا تھا وہ تمہارے سامنے میرے عیبوں کو چھپا رہنے دے۔ وہ تمہارے سامنے میرا پردہ رہنے دے۔ چھ سال میری دعا قبول ہوتی رہی۔ میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔آج پہلی بار میں نماز میں یہ دعا کرنا بھول گئی اور۔۔۔۔اور تم میرے سامنے آ کھڑے ہو اور۔۔۔اور وہ بھی ہر راز جانتے ہو۔

تمہیں یاد ہے جب تم پہلی بار مجھ سے ملے تھے تو تم نے کہا تھا کہ دنیا میں تمہارا کوئی نہیں ہے۔تب میں تمہیں بتانا چاہتی تھی کہ

دنیا میں بہت سے لوگ میرے ہیں مگر میرے لیے کوئی نہیں۔تمہیں خدا نے بہت سے رشتوں سے محروم رکھا اور جو رشتے چھینے، وہ اللہ نے چھینے۔ مجھے اللہ نے ہر رشتے سے نوازا اور میں نے ہر رشتہ خود گنوایا، اپنے ہاتھوں سے۔آج دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو میرے لیے روتا ہوگا مجھے یاد کرتا ہوگا اور پچھلے چھ سالوں میں ، میں ہر رات یہ سوچ کر سویا کرتی تھی کہ تم.....تم کبھی نہ کبھی مجھے ضرور یاد کرتے ہو گے۔ دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے آپ محبت کرتے ہیں۔ان سے بھی کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔ میرا خیال تھا۔تمہیں مجھ سے محبت تھی، اب نہیں ہے۔میں یہ بھی جانتی ہوں۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا تھا۔ پارک میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔بعض دفعہ سناٹا صرف باہر ہی نہیں، بلکہ انسان کے اندر بھی ہوتا ہے۔

میں بہت سے لوگوں کی مجرم ہوں۔ بہت سے لوگوں نے

میری وجہ سے بہت کچھ سہا ہے۔ میں نے اپنے ماں باپ کے اعتماد کی دھجیاں اڑا دیں۔ میں نے اپنے خاندان کی عزت کو نیلام کر دیا۔ میری وجہ سے ڈیوڈ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ میری وجہ سے ڈیوڈ کے گھر والوں کو اس سے ہمیشہ کے لیے محروم ہونا پڑا۔ مگر حدید میری وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ میں نے کم از کم تمہارے لیے کچھ برا نہیں کیا۔ میں نے تم سے جھوٹ ضرور بولا۔ تم سے قطع تعلق ضرور کیا لیکن تمہیں نقصان نہیں پہنچایا۔ پھر بھی میری وجہ سے تمہیں جو تکلیف پہنچی۔ میں اس کے لیے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں۔

حدید نے اپنے سامنے اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دیکھا تھا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا، چند لمحے وہ کچھ کہنے کی کوشش کرتا رہا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

فضا میں خنکی بہت بڑھ گئی تھی۔ ثانیہ اپنا بیگ اٹھا کر کھڑی

ہو گئی۔ وہ اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔ اس نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی حدید اب دوبارہ اسے کبھی نظر نہیں آ گا۔

حدید کی زندگی، حدید کی زندگی ہے۔ اس میں کہیں بھی کسی ثانیہ شفیق کو نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے ساتھ پارک میں آتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

مجھے اسے سب کچھ بتا دینا ہے، سب کچھ۔ مجھے آج اس سے کچھ بھی نہیں چھپانا۔

اس نے طے کیا تھا اور پھر اس نے یہی کیا تھا۔ اس نے حدید کو ہر بات بتا دی تھی۔ کچھ بھی راز میں نہیں رکھا تھا۔ وہ جانتی تھی اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

ہر کہانی کے انجام پر کچھ کردار کھوتے ہیں، کچھ کردار پاتے

ہیں۔میں کھونے والے کرداروں میں سے ہوں۔

اس نے پارک کے گیٹ سے نکلتے ہوئے سوچا تھا۔

اس دن کے بعد وہ دوبارہ کبھی اسلامک سینٹر نہیں گئی۔وہ اب کسی کے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی اور پروفیسر عبدالکریم۔۔۔وہ دوبارہ ان کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔وہ کسی کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔

کمیونٹی سینٹر میں عید کے اجتماع میں شرکت کر کے جب وہ باہر نکلی تو ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ہال کے اندر اور باہر لوگوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔گروپس میں کھڑے ہوئے لوگوں کے قہقہوں اور آوازوں نے ماحول پر ہمیشہ چھا رہنے والی خاموشی کو ختم کر دیا تھا۔اس کے شناسا وہاں صرف چند لوگ تھے اور ان کے پاس اس کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔وہ سب وہاں اپنی فیملیز کے ساتھ آئے ہوئے تھے اور فیملیز آپس میں گھل مل کر خوش گپیوں میں

مصروف تھیں۔اس کے لیے کچھ بھی نیا اور مختلف نہیں تھا۔پچھلے کئی سالوں سے وہ ایسی ہی عیدیں مناتی آ رہی تھی۔

لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوا اس نے اوورکوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیے تھے۔خنکی میں غیر معمولی حد تک اضافہ ہو گیا تھا۔کمیونٹی سینٹر سے نکلنے کے بعد وہ سڑک پر آ گئی تھی۔ اوورکوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہو وہ فٹ پاتھ پر چلتی رہی۔

اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ڈراپ کر سکتا ہوں؟

اس نے اپنے قریب ایک گاڑی کو رکتے دیکھا تھا اور پھر آواز آئی تھی۔اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا تھا۔چند لمحے خاموشی سے دیکھنے کے بعد اس نے کہا تھا۔

نہیں،شکریہ۔

بارش تیز ہوسکتی ہے۔ بڑی ہمدردی سے یک بار پھر کہا گیا تھا۔

الٹس آل رائٹ۔

وہ ایک بار پھر چلنے لگی تھی۔اس کے پاس رکنے والی گاڑی ایک فراٹے کے ساتھ اس کے پاس سے گزر گئی تھی۔اس کی اداسی یکدم بہت گہری ہوگئی تھی۔سڑک کے کنارے لگے ہوئے درخت کی نچلی شاخ پر اس نے پرندوں کا ایک جوڑا بیٹھے دیکھا تھا۔

SARROW FOR ONE JOY FOR TWO

اس نیز یرلب کہا تھا۔

joy؟

ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری تھی۔ بارش

یکدم تیز ہوگئی تھی۔ وہ مین روڈ پر پہنچنے کے لیے تیزی سے چلنے لگی۔

بس شیلٹر کے نیچے پہنچ کر وہ سوچنے لگی تھی کہ اسے اس وقت کہاں جانا چاہیئے۔ وہ گھر جانا نہیں چاہتی تھی۔ کم از کم آج کے دن وہ گھر جا کر کمرے میں قید ہونا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے دور سے بس کو آتا دیکھ لیا تھا۔

ایک سستے سے انڈین ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر اس نے کھانا کھایا تھا اور پھر پہلے کی طرح سڑکوں پر بے مقصد بارش میں بھیگنے کے بجائے وہ ایک شاپنگ مال میں گھس گئی تھی۔ مختلف چیزوں اور لوگوں پر نظر دوڑاتے ہو بہت دیر تک وہ ادھر ادھر پھرتی رہی تھی۔ اسے یاد آیا تھا۔ پچھلی عید پر بھی وہ یہاں اسی طرح پھرتی رہی تھی۔

اگلے کتنے سال میں اپنی عیدیں اس طرح گزاروں گی؟ شاپنگ مال میں کافی پیتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ یہاں اس طرح اکیلے پاگلوں کی طرح پھرتے ہوئے اسے اندازہ نہیں ہوا۔

اس نے وہاں کتنے گھنٹے گزارے تھے۔ جب وہ شاپنگ مال سے نکلی تھی تو آسمان تاریک تھا۔ بارش اب بھی برس رہی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا تھا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔

جس وقت وہ بس سے اتری تھی، بارش تیز ہو چکی تھی۔ مین روڈ سے بائی روڈ کا فاصلہ اس نے تقریباً بھاگتے ہوئے طے کیا تھا۔ پانچ منٹ کے بعد وہ اپنے گھر کے سامنے تھی۔ گھر کے عقبی جانب آتے ہی اس نے سب سے اوپر والی سیڑھی پر کسی کو بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی تھی۔ اس وقت اتنی بارش میں کون بیٹھا ہے؟ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی مگر دور سے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔

جولین کا کوئی بوائے فرینڈ ہوگا۔ شاید ابھی وہ نہیں آئی۔

سیڑھیاں چڑھتے ہو اس نے اوورکوٹ کی جیب سے کمرے کی چابی نکال لی تھی۔

سیڑھی پر جو بھی بیٹھا تھا اسے آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ثانیہ نے اس کے پاس سے گزرتے ہوسرسری نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔اس کے ذہن میں جیسے ایک جھماکا ہوا تھا۔سیڑھی کے کونے میں لٹکے ہو بلب کی ہلکی سی روشنی اس کا چہرہ شناخت کرنے کے لیے کافی تھی۔وہ چند لمحے وہاں سے ہل نہیں سکی۔

اپنے کمرے کے دروازے کی طرف جاتے ہو اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی تھی۔

دروازہ کھول کر اسے بند کیے بغیر وہ اندر کمرے میں چلی آئی تھی۔

سڑک پر لفٹ کی آفر دینے کے بعد وہ شاید سیدھا یہیں آیا تھا مگر کیوں؟

اس نے اپنا اوورکوٹ دروازے کے پیچھے لٹکاتے ہوسوچا تھا۔وہ اندر آنے کے بجائے دروازے کے باہر ہی رک گیا تھا۔

ثانیہ نے خاموشی سے دروازہ کھول دیا تھا۔وہ کچھ جھجکتے ہوئے اندر آیا تھا۔وہ بری طرح بھیگا ہوا تھا۔

اس طرح بھیگنے کی کیا ضرورت تھی۔تم برآمدے میں انتظار کر سکتے تھے۔دروازہ بند کرتے ہوئے ثانیہ نے مدھم آواز میں اس سے کہا تھا۔

بھیگنے سے کیا ہوتا ہے؟اس نے مڑ کر پوچھا تھا۔ثانیہ نے دیکھا۔اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

وہ شاید سیڑھیوں پر بیٹھا روتا رہا تھا۔سات سال پہلے بھی اس نے ایک بار اسے اسی طرح پارک میں.....

وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ہیٹر آن کرنے کے بعد اس نے ایک فلور کشن اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔یہاں بیٹھ جاؤ۔

وہ جوتے اتار چکا تھا۔ثانیہ نے باتھ روم میں جا کر اپنا گیلا

حجاب اتار کر دوسرا حجاب اوڑھ لیا تھا۔ وہ واپس کمرے میں آئی تو وہ فلور کشن پر بیٹھا ہوا تھا۔

اپنا سویٹر اتار دو اس نے ایک تولیہ اس کی طرف بڑھاتے ہو کہا تھا۔

اس نے خاموشی سے تولیہ پکڑ کر اپنا سویٹر اتارنا شروع کر دیا۔ ثانیہ نے کیتلی میں کافی کے لیے پانی گرم ہونے کے لیے رکھ دیا۔ حدید نے سویٹر اتار کر کارپٹ پر رکھ دیا تھا اور تولیے سے بال خشک کرنے لگا تھا۔ وہ اس کے پاس آئی تھی اور سویٹر کو سیدھا کر کے اس نے ہیٹر کے سامنے پھیلا دیا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کی سرگرمیاں دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے ایک اونی شال تھمانے کے بعد واپس کونے میں جا کر کافی بنانے میں مصروف تھی۔ جب اس نے حدید کی آواز سنی تھی۔

کیا تم یہ سب کام میرے لیے ساری عمر نہیں کر سکتیں۔ وہ

اپنی جگہ پر ساکت ہوگئی تھی۔

یہ کیا کہہ رہا ہے؟اس نے سوچا تھا۔

کیا اب بھی یہ ممکن ہے؟اس نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ہیٹر پر نظریں جما بیٹھا تھا۔

شاید مجھے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ثانیہ نے سوچا تھا۔کافی کی ٹرے اس نے حدید کے سامنے لا کر رکھ دی تھی۔

تم جانتی ہو، آج کیا دن ہے؟اس نے کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

ثانیہ نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔وہاں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔

عید ہے۔بہت مدھم آواز میں اس نے کہا تھا۔

بس۔۔۔بس عید ہے۔اس کی آواز میں عجیب سی مایوسی تھی۔

تمہیں کچھ یاد نہیں ؟۔ اسے یاد تھا مگر وہ خاموشی سے دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے کپ کو گھورتی رہی۔

کم از کم تمہیں تو یاد.....

اس نے سر اٹھاتے ہوئے پرسکون انداز میں اس کی بات کاٹ دی تھی۔ پپی برتھ ڈے حدید اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر کر معدوم ہوگئی تھی۔

تمہیں میرا ایڈریس کہاں سے ملا؟

پروفیسر عبدالکریم سے۔وہ خاموش ہوگئی تھی۔

ابھی بھی اسی طرح روتے ہو جیسے پہلے۔۔۔؟ اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

نہیں، اب تو بہت عرصہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں رویا۔ آخری بار تب رویا تھا جب تمہارے مرنے کی اطلاع..... ان چھ سالوں میں بہت بدل گیا ہوں۔ اب رونا بھی میرے لیے ممکن نہیں رہا۔ آج پتا نہیں کیا ہوا۔ میں تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور پتا نہیں کیا ہوا۔ سارا ماضی یاد آنے لگا۔ یوں لگا جیسے بیچ کے چھ سات سال غائب ہو گئے ہوں۔ مجھے لگا میں ویسے ہی تم سے ملنے آیا ہوں جیسے چھ سات سال پہلے کیتھڈرل میں ملنے آتا تھا۔ تمہیں یاد ہے نا تب میں بہت رویا کرتا تھا۔

ثانیہ نے اس کے ہونٹوں پر ایک معصوم سی مسکراہٹ دیکھی تھی۔

جتنا زار و قطار میں تمہارے سامنے رویا ہوں، کسی اور کے سامنے نہیں رویا۔ اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔

تم سے جب میں پہلی بار ملا تھا تو انیس بیس سال کا تھا۔ جذباتی، بزدل، کم ہمت، چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو پڑنے والا۔ ان دنوں مجھے سارے رستے بند نظر آتے تھے۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں کوئی جانور ہوں جسے شکار کرنے کے لیے چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہو۔ مجھے لوگوں سے خوف اور وحشت ہوتی تھی۔ میرے ہاتھ اور دل دونوں خالی تھے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ ٹینا سے آخری ملاقات سے پہلے ایک رات میں نے اللہ سے بہت دعا کی تھی۔ میں نے اس سے سکون اور سہارا مانگا تھا۔ میں نے اس سے آسانی اور محبت مانگی تھی۔ میں نے اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی تھی۔ اس رات پتا نہیں کیوں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ اللہ نے میری دعا قبول کر لی ہے۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے اگلے دن میری ساری مشکلات ختم ہو جائیں گی۔ ٹینا مجھے مل جائے گی۔

وہ کافی کے مگ کو دیکھتے ہوئے اس کے کناروں پر انگلی پھیر رہا تھا۔

ٹینا نہیں ملی مگر اگلے دن مجھے تم مل گئیں۔ پارک میں، میں نے تمہیں نہیں دیکھا تھا مگر تم نے مجھے دیکھا تھا۔ اس رات وہ جو احساس ہوا تھا نا کہ میری دعا قبول ہوگئی ہے۔ وہ غلط نہیں تھا۔ میری دعا واقعی قبول ہوئی تھی۔ تم سے بڑھ کر سہارا اور سکون مجھے کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ تم سے زیادہ محبت مجھے کہیں سے نہیں مل سکتی تھی۔ تمہیں پتا ہے، تب تم نے میرے لیے کیا کیا۔ تم نے میرے جسم میں سے ایک ایک کانٹا نکال دیا اور پھر ہر زخم کو سی دیا۔ میں سوچتا ہوں۔ اس دن اگر مجھے ٹینا مل جاتی تم نہ ملتیں تو کیا ہوتا۔ ٹینا اور میں شادی کرتے ویسا ہی گھر بناتے جیسا اس کے پیرنٹس یا میرے پیرنٹس نے بنایا تھا۔ اسی طرح لڑتے جیسے وہ دونوں لڑتے تھے۔ ہمارے بچے ویسی ہی زندگی گزارتے جیسے میں یا ٹینا اپنے پیرنٹس کے پاس گزار رہے تھے مصنوعی اور خالی زندگی۔ میں ساری عمر خدا کے وجود سے اتنا ہی بے نیاز رہتا، جتنا تب تھا۔ میں ٹینا کو خوش رکھنے کے لیے مکمل طور پر میٹریلزم کا شکار ہو جاتا۔ میرا دین، میرا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، میرا اللہ مجھے۔۔۔ مجھے تو کسی کے بارے میں بھی

کچھ خبر نہ ہوتی۔ میں بیکار چیزوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے زندگی ختم کر لیتا۔ چھ سال میں، میں نے اللہ کا اتنی بار شکر ادا کیا ہے کہ اس دن مجھے ٹینا نہیں ملی تم ملیں۔ چاہے جس مقصد کے لیے بھی کی مگر تم نے میرے ساتھ نیکی کی۔ اس وقت دنیا میں صرف ایک شخص ایسا ہے جس کا احسان میں چاہوں بھی تو نہیں اتار سکتا اور وہ..... وہ تم ہو۔

تم مجھے تاریکی سے روشنی کی طرف لے کر آئی تھیں۔ مجھے مسلمان میرے ماں باپ نے نہیں، تم نے بنایا۔ کان میں اترنے والی آواز سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا۔ دل میں اترنے والی آواز سے ہوتا ہے اور میرے دل میں تمہاری آواز اتری تھی۔ میں نے اپنے اللہ، اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، اپنے دین کو تمہارے ذریعے پہچانا۔

جب پہچان لیا تو زمین پر کھڑے ہونے کا طریقہ آ گیا۔ زندگی کے رستے نظر آنے لگے۔ میں ایک بار پھر سے دنیا کو دیکھنے

کے قابل ہو گیا۔ حتیٰ کہ تمہارے مرنے کی خبر پر بھی پہلے کی طرح میں زندگی اور دنیا سے مایوس نہیں ہوا۔ میں نے پہلے کی طرح خدا کے سامنے شکووں کی قطاریں کھڑی نہیں کیں۔ میں نے صبر کیا۔ میں نے ان چیزوں کو یاد رکھنے کی کوشش کی جو اللہ مجھے دے رہا تھا۔

ان چھ سالوں میں، میں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ اپنا ایم سی ایس مکمل کیا۔ ایک کمپیوٹر فرم میں بہت اچھی جاب مل گئی۔ اچھی زندگی گزارنے کے لیے جتنی آسائشیں ضروری ہوتی ہیں، وہ سب میرے پاس ہیں اور اب میں پہلے کی طرح زندگی سے ناخوش بھی نہیں ہوں۔ اپنی ہر بے چینی اور پریشانی کا علاج میں نے قرآن پاک میں ڈھونڈا ہے۔ چھ سال اکیلے گزارنے کے بعد اس سال میں شادی کرنا چاہتا تھا۔ زندگی میں کسی نہ کسی اسٹیج پر آپ کو رشتوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ چھ سالوں میں بہت سی لڑکیوں سے ملتا رہا ہوں لیکن ہر بار شادی کا سوچتے ہی میرے سامنے تم آ کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔

اس نے ثانیہ کو گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹتے اور پھر ان میں چہرہ چھپاتے ہوئے دیکھا تھا۔

میں ہر لڑکی کا موازنہ تم سے کرتا تھا۔ میں چاہتا تھا۔ جو بھی میری زندگی میں آئے، وہ تمہارے جیسی ہو۔ میں اپنے پیرنٹس جیسا گھر بنانا نہیں چاہتا تھا۔ میں گھر جیسا گھر بنانا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا۔ وہ میری اولاد کو اچھا مسلمان بنائے۔ وہ مجھے صرف یہ نہ بتاتی رہے کہ دنیا کی ترقی کتنی ضروری ہے۔ وہ مجھے باہر سے نہیں اندر سے سمجھے۔ چھ سال میں، میں کسی ایسی لڑکی سے نہیں ملا جو یہ سب کر سکتی ہو۔ جب سے یہاں سیٹل ہوا ہوں، تب سے میں اسلامک سینٹر جاتا رہا ہوں۔ پروفیسر عبدالکریم سے میں نے ایک بار اپنی شادی کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے انہیں بتایا کہ مجھے ایسی لڑکی کی ضرورت ہے جو صرف مسلمان نہ ہو بلکہ دین کو سمجھتی بھی ہو، جانتی بھی ہو، جو دنیا کے پیچھے بھاگنے والی نہ ہو، جو ہر اچھے اور برے وقت میں میرے ساتھ رہے، مجھ سے وفادار ہو، جو میری اولاد کی اچھی پرورش

کر سکے۔ میں نے اور کوئی شرط نہیں رکھی تھی۔ میرا دھیان اور کسی بات کی طرف گیا ہی نہیں۔ انہوں نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا۔ وہ سب کچھ جو وہ جانتے تھے۔ جو تم نے انہیں بتایا تھا۔ انہوں نے پوچھا تھا کہ میں تمہارے ماضی کے ساتھ تم کو قبول کر سکتا ہوں؟ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ وہ تمہیں ثانی کہتے تھے۔ مجھے کبھی شک نہیں ہوا کہ یہ تم تھیں۔ ہاں ہر بار ثانی کہنے پر مجھے تمہارا نام ضرور یاد آ جاتا تھا۔ اس دن میں ثانی سے ملنے گیا تھا اور سامنے آنے والی ثانیہ تھی۔

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے گھٹنوں میں سر چھپا اس کے لرزتے ہوئے وجود کو دیکھا تھا۔ اس بار بولتے ہوئے اس کی آواز بہت مدہم تھی۔

میں تمہیں بتا نہیں سکتا، مجھے تم پر کتنا غصہ آیا تھا۔ مجھے لگا میں نے اتنے سال ایک جھوٹ کی محبت میں گزار دیے، ایک فراڈ کی چاہ میں۔ پھر تم نے سب کچھ مجھے بتا دیا۔ اگر مجھے تھوڑی بہت

کوئی خوش فہمی تھی تو وہ بھی ختم ہوگئی۔تم سے ملنے کے بعد گھر جا کر میں سوچتا رہا تھا کہ میں کس قدر بے وقوف اور احمق تھا کہ ایک لڑکی..... بہت دن میں اسی صدمے اور غصے میں رہا پھر آہستہ آہستہ غصہ ختم ہونے لگا تھا۔

آہستہ آہستہ تمہاری ساری باتیں ایک بار پھر سے یاد آنے لگی تھیں۔

میں نے سوچا کہ تم نے مجھ سے کیا مانگا، کیا لیا۔تم نے نیکی اپنی غرض کے لیے کی مگر میرے ساتھ کی تھی۔جس دلدل میں اترنے کے لیے میں کھڑا تھا، وہاں مجھے تم نہیں لے کر گئی تھیں۔میں خود گیا تھا۔تم تو مجھے وہاں سے واپس لائی تھیں۔دلدل تک جانے کے لیے اگر میں خود سے نفرت نہیں کر سکا تو وہاں سے واپس لانے کے لیے تم سے کیسے کر سکتا ہوں۔ان چھ سالوں میں، میں نے جو بھی حاصل کیا ہے،تمہاری وجہ سے کیا ہے۔ سکون،صبر،ایجوکیشن، جاب، دولت۔حتی کہ.....حتی کہ ایمان بھی۔

تم مجھے اللہ تک لے کر گئی تھی۔تم نے مجھے تشخص دیا۔تمہیں پتا ہے ثانیہ تم کیا ہو؟

اس نے ایک بار پھر اپنے گھٹنوں سر چھپا لیا تھا۔

میلے دامن اور داغ دار دل والے لوگ ویسی زندگی نہیں گزارتے جیسے تم گزار رہی ہو۔ ویسے کام نہیں کرتے جیسے تم نے کیے۔ مجھے اور تمہیں دوبارہ ملانے والا اللہ ہے اور وہ ہمارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ میں بہت دنوں پہلے تمہارے پاس آنا چاہتا تھا مگر ہر بار رک جاتا۔لیکن آج جب تمہیں کمیونٹی سینٹر میں دیکھا تم پھر میں ٹھہر نہیں سکا۔تم نے راستے میں لفٹ لینے سے انکار کر دیا اور میں یہاں چلا آیا۔ میں تمہارے پاس یہ جاننے نہیں آیا ہوں کہ تم نے کب کب، کہاں کہاں غلطی کی۔ مجھے ڈیوڈ کے قصے میں بھی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے اس بات کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ تم کسی کے لیے گھر سے بھاگ گئیں۔ میں یہ بھی جاننا نہیں چاہتا کہ تمہارے پیرنٹس تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہیں یا کیا نہیں۔

میں اپنی زندگی میں سکون چاہتا ہوں۔ میں تمہیں چاہتا ہوں۔

ثانیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی بھیگی ہوئی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

ڈیڑھ گھنٹہ بعد اسلامک سینٹر میں نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے اس نے حدید کو دیکھا تھا۔ وہ بے حد پرسکون نظر آ رہا تھا۔ چند لمحے چپ چاپ اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے نکاح نامے پر سائن کر دیے تھے۔

میں کوشش کروں گا۔ ایک بار تمہارے پیرنٹس سے کانٹیکٹ کروں۔ تمہیں ان سے ملواؤں۔ ہوسکتا ہے وہ تمہیں معاف کر چکے ہوں۔

اسلامک سینٹر کی سیڑھیاں اترتے ہوا اس نے حدید کو کہتے سنا تھا۔

یاد ہے بہت سال پہلے تم نے ہی کہا تھا نا۔کبھی نہ کبھی سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

ثانیہ نے جواب دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔اسے یاد آ رہا تھا،اس کے ساتھ یہاں آنے سے پہلے اس نے حدید سے پوچھا تھا۔

کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ اپنے سارے گناہوں کے بعد بھی میں تمہارے لیے ویسی بیوی ثابت ہوسکتی ہوں،جیسی تم چاہتے ہو۔کیا تم واقعی میرا ماضی بھول جاؤ گے؟

نہیں ،میں تمہارا ماضی نہیں بھول سکتا۔کیونکہ اس ماضی سے میری کچھ بہت اچھی یادیں وابستہ ہیں۔حدید نے جواب دیا تھا۔

کیا تم میرے جیسی گناہ گار عورت کے ساتھ رہ کر پچھتاؤ گے نہیں؟

وہ تمہارے لیے روشنی کر دے گا جس میں تم چلو گے اور وہ تم کو بخش دے گا اور خدا بخشنے والا، مہربان ہے۔

اس نے بہت نرم لہجے میں بہت سال پہلے ثانیہ کی سنائی ہوئی سورۂ حدید کی آیات دہرا دی تھیں۔ بہت دیر تک نم آنکھوں سے وہ چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے سر جھکا لیا تھا۔

☆

تمہیں یوں نہیں لگتا ثانیہ جیسے آج سب کچھ مکمل ہے۔ کہیں بھی کچھ بھی مسنگ نہیں ہے؟ کار پارکنگ لاٹ سے باہر نکالتے ہو وہ اس سے کہہ رہا تھا۔ ثانیہ نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

کم از کم مجھے تو یہی لگ رہا ہے جیسے سب کچھ یکدم مجھے مل گیا ہے۔

ثانیہ نے مسکراتے ہوئے کچھ کہے بغیر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا لیا تھا۔ سرد موسم سے گاڑی کے اندر کی حدت میں آ کر اس کے جسم کو عجیب سا سکون مل رہا تھا۔ وہ کہتا جا رہا تھا۔

آج پہلی بار مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں اپنے فلیٹ نہیں، گھر جا رہا ہوں اور میں اس فیلنگ (احساس) کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ یہ بتانا مشکل ہے۔ بالآخر میں نے ایک گھر بنا لیا ہے۔

حدید کی آواز دھیمی تھی مگر دھیمی آواز سے بھی اس کی خوشی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے ونڈ اسکرین کے پار نظر آنے والی سڑک دیکھتی رہی۔ بوجھل ہوتی ہوئی آنکھوں کو اس نے بند کر لیا تھا۔ کار میں اس کی آواز گونجنے لگی تھی اور وہ سوچنے لگی تھی۔

ہاں میں جانتی ہوں۔ یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ گھر کیا ہوتا ہے اور زندگی میں ایک گھر کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ اتنے بہت سے

سال تنہا خوار ہونے کے بعد اب میں جہاں رہوں گی، وہ گھر ہوگا۔ وہاں کم از کم ایک شخص ایسا ہوگا جو میرے بیمار ہونے پر میرے لیے پریشان ہوگا۔ جو مجھ سے دن میں تین بار یہ ضرور پوچھے گا کہ میں نے کھانا کھایا یا نہیں۔ جو میرا دل بہلانے کے لیے کسی بھی وقت کوئی بھی کام چھوڑ کر باہر لے جا سکتا ہے۔ جس کے سامنے روتے ہوئے مجھے کوئی خوف اور پریشانی ہوگی نہ ہی کوئی جھوٹا بہانا بنانا پڑے گا۔

اس نے آنکھیں کھول کر ایک بار پھر اسے دیکھا تھا۔ وہ سامنے سڑک پر نظریں جمائے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ ثانیہ نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

گھر جا کر تمہیں تھوڑا شاک لگے گا۔ میں پچھلے بہت دنوں سے تمہاری وجہ سے اپ سیٹ تھا۔ کسی چیز پر توجہ نہیں دے سکا، گھر پر بھی نہیں۔ وہاں سب کچھ ادھر ادھر بکھرا ہوا ہے۔

ثانیہ کو نیند آنا شروع ہو گئی تھی۔ حدید کی آواز اب بھی اس

کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

لیکن تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جاتے ہی سب کچھ ٹھیک کردوں گا۔

آواز اب اور ہلکی ہوگئی تھی۔

مجھے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگے گا۔

ثانیہ کو اب اس کی باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

اور..... پھر تم..... گھر..... کو دیکھنا..... اب..... مجھے..... کچھ نہیں.....

حدید نے بات کرتے کرتے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا اور خاموش ہوگیا تھا۔ نیند میں ثانیہ کا ایک ہاتھ گیئر اور ہینڈ بریک کے پاس دھرا ہوا تھا۔ حدید نے بہت احتیاط سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی گود میں رکھ دیا۔ لیور دبا کر اس نے ثانیہ کی سیٹ کی بیک کو

تھوڑا اور نیچے کر دیا۔ حدید نے ثانیہ کی سیٹ بیلٹ کو آہستہ آہستہ چیک کیا تھا اور پھر مطمئن ہو کر اس نے اپنی توجہ ایک بار پھر سڑک پر مرکوز کر لی تھی۔ کار میں اب بالکل خاموشی تھی۔

بعض دفعہ خاموشی وجود پر نہیں، دل میں اترتی ہے۔ پھر اس سے زیادہ مکمل، خوبصورت اور بامعنی گفتگو کوئی اور چیز نہیں کر سکتی اور یہ گفتگو انسان کی ساری زندگی کا حاصل ہوتی ہے اور اس گفتگو کے بعد ایک دوسرے سے کبھی دوبارہ کچھ کہنا نہیں پڑتا۔ کچھ کہنے کی ضرورت رہتی ہی نہیں۔

وہ پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

# ختم شد

کیا آپ اس مشن میں تھوڑی سی مدد کر سکتے ہیں؟